اللہ اکبر

سلسلہ مضامین حضرت مولانا ابوالکلام صاحب آزاد
نمبر ۱۹

مجموعہ

مضامین مولانا ابوالکلام آزاد

حصہ چہارم

امام الاحرار حضرت مولانا ابوالکلام صاحب آزاد مدظلہ العالی کے نایاب مضامین کا مجموعہ

مرتبہ

منشی مشتاق احمد ناظم قومی دارالاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ

لالہ ہرنام داس صاحب گپتا کے اہتمام سے
صرف ٹائٹل سوراج پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا
قیمت ۱۲/

انگریزی حکومت اور عراق عرب

جس میں تمام انگریزی معاہدے جو انہوں نے عربوں اور شامیوں سے کئے اور اُنکے عدم ایفا کے حالات۔ عربوں کے دھوکہ کی تفصیل۔ عراق عرب میں اور شام میں مظالم وغیرہ ۶ ر

ہندو مسلمان در ہندوستان

سنہ ۱۹۰۶ء کے ایک دلچسپ مضمون کا ترجمہ جس میں زمانہ موجودہ کی اسکیم نان کو اپریشن کی پوری تفصیل ہے اور ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کے طریقے درج ہیں جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی مدبرین کا شروع سے یہی ارادہ تھا۔ نہایت عمدہ کاغذ پر ۴ ر

ترک موالات دوسرے ممالک میں

پادری بروکوئی کی مشہور کتاب کا ترجمہ جس میں دکھلایا ہے کہ کس طرح ہنگری۔ مصر۔ کوریہ۔ آئرلینڈ نے پُرامن ترک موالات سے آزادی حاصل کی ہے۔ کتاب نہایت دلچسپ ہے اور ہندوستان کی موجودہ جنگ حق و آزادی کے لئے بہترین رہنما کا کام دے سکتی ہے

مترجمہ سید نجیب اشرف صاحب ندوی ۱۰ ر

خلافت اور انگلستان

ڈاکٹر محمود صاحب کی زبردست تصنیف کا اُردو ترجمہ جس میں مسئلہ خلافت اور انگلستان کے تعلقات پر منبطل بحث ہے جسکی تعریف مہاتما گاندھی۔ مولانا ابوالکلام صاحب آزاد۔ مولانا محمد علی۔ مولانا شوکت علی۔ مسٹر مظہر الحق۔ ڈاکٹر کچلو۔ مسٹر کچپتال وغیرہ حضرات نے کی ہے اور تمام اخبارات نے ریویو کیا ہے با تصویر عمر

مشتاق احمد ناظم قومی دارالاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ

لوگوں کے نتائج اعمال کا وقت قریب آ لگا،

وَهُمْ

لیکن اسپر بھی وہ غف

استجیبوا لربکم من

یوم لامرد لہ من

من ملجإ یومئذ

نکیر، فان اعرض

علیھم حفیظا، اِ

البلاغ (۴۲ - ۴۷)

اگر اس طرح سمجھا دینے پر بھی یہ لوگ روگردانی کریں تو (اے پیغمبر) ہم نے کچھ تم کو ان پر داروغہ بنا کر تو بھیجا نہیں، تمھارے ذمے تو بس حکم الٰہی کا پہنچا دینا ہی ہے۔ ماننا یا ماننا سننے والوں کا کام ہے۔

ایڈریانوپل جو حلفائے بلقان کی راہ کامیابی میں بظاہر آخر مانع کامیابی تھا، بالآخر مسخر ہوگیا، مع (جامع سلیم) کی مقدس محرابوں کے، جنھوں نے دو صدیوں

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ

لوگوں کے نتائجِ اعمال کا وقت قریب آلگا،

وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ

لیکن اسپر بھی وہ غفلت میں سرشار اور اللہ کی طرف سے مُنہ موڑے ہوئے ہیں

استجیبوا لربکم من قبل ان یاتی یوم لا مرد لہ من اللہ، ما لکم من ملجاءٍ یومئذ وما لکم من نکیر، فان اعرضوا فما ارسلناک علیھم حفیظا، اِن علیک الا البلاغ (۴۲-۴۶)

اے غافل لوگو! اُس فیصلہ کے دن کے سے پہلے اپنے خدا کا کہا مان لو، جو اُسکے اعمال بد کے نتائج میں آنے والا ہے، اور اُسکا ٹلنا ممکن نہیں، اُس دن نہ تو تمھارے لئے کہیں پناہ ہوگی، اور نہ تم اپنے اعمال بد سے انکار ہی کرسکو گے!!

اگر اس طرح سمجھا دینے پر بھی یہ لوگ روگردانی کریں تو (اے پیغمبر) ہم نے کچھ تم کو اُن پر داروغہ بنا کر تو بھیجا نہیں، تمھارے ذمے تو بس حکمِ الٰہی کا پہنچا دینا ہی ہے۔ ماننا یا ماننا سُننے والوں کا کام ہے۔

ایڈریانوپل جو حلفاء بلقان کی راہ کامیابی میں بظاہر آخر مانع کامیابی تھا، بالآخر مسخر ہوگیا، مع (جامع سلیم) کی مقدس محرابوں کے، جنھوں نے دو صدیوں

سے اپنے نیچے صرف سجدہ ہائے نیاز، اور زمزمہ ہائے توحید و تکبیر ہی کو دیکھا تھا، اور مع اُن بلند اور عظیم الہیئت مناروں کے، جن پر آج تک روزانہ اعلان و شہادتِ توحید کی ایک صدا بھی قضانہ ہوئی تھی، مفتوح ہو گیا، حالاں کہ ہمارے جوش و بیداری کا لشکرِ عظیم اب تک غفلت و سرشاری کے قلعہ میں محصور ہے اور عبرت اور تنبیہ کے پیہم ہجوم اب تک اُسے مسخر نہیں کر سکے!!

فیا حسرتا! دیا ویلتا! دیا ندما!!

لمثل هذا یذوب القلب من کمد ان کان فی القلب اسلام و ایمان

میں سفر میں تھا، جب میں نے اول بار یہ خبر سُنی۔ میں نے دیکھا کہ اس خبر کی تصدیق کے بعد بھی دُنیا ویسی ہی تھی، جیسی اس سے پہلے، میں نے دیکھا کہ ہم اپنے کاروبار میں مصروف، اور اپنی احتیاجات میں بدستور منہمک ہیں، وقت پر کھانا کھاتے ہیں اور وقت پر آرام دہ نیند کے انتظار میں بستروں کو تلاش کرتے ہیں۔ زندگی کی مصروفیتوں میں کوئی تغیر نہیں ہوا، اور اپنے اندر بھی دیکھا تو حالت ویسی ہی پائی، جیسی کہ کل تک تھی، حالانکہ ہم میں سے کوئی بھی اس خبر کے سُننے کے لئے طیار نہ تھا۔

میں نے سوچا کہ کیا کسی دن اسی طرح قسطنطنیہ کے مسخر ہو جانے کی خبر آجائیگی؟ قسطنطنیہ کیا شے ہے؟ میں نے سوچا کہ کیا ایک دن ہماری آخری متاعِ عزت یعنی بیت جلیل خلیل اللہ اور مسجد مطہرۂ رسول اللہ پر بھی ملاعنۂ صلیب کے حملہ آور ہو جانے کی خبر آجائے گی، اور ہم اسی طرح اپنی رفتار مدہوشی میں آگے بڑھ جائینگے؟ فما ذا جری علی المسلمین؟ ومن الذی دفع ھم من علیین الی اسفل سافلین؟

ولقد اخذ ناھم بالعذاب فما اور ہم نے ان لوگوں کو عذاب میں گرفتار

استکانوا لربھم وما یتضرعون — گویا پھران کو کیا ہو گیا ہے کہ اب بھی اپنے خدا کے آگے نہیں جھکتے، اور اپنی غفلت پر نہیں روتے؟ (۲۳-ع ۴)

دُنیا میں قوموں کے لیے بڑے بڑے کام ہیں۔ بہت سے ہیں جن کو اپنے ایوانِ حکومت اور تختِ جلال کی آرائش کرنی ہے۔ بہت سے ہیں، جن کو اپنے عظیم الشان متمدن شہروں، اور اپنی عالمگیر تجارت کی حفاظت مقصود ہے بعض اپنی قومی دولت و ثروت کے بڑھانے کی فکروں میں ہیں، اور بعض خدا کی زمینوں پر قبضہ کرنے کے انتظام میں، لیکن غور کرو کہ اب ہمارے لئے دُنیا میں کیا کام باقی رہ گیا ہے؟ حکومتیں باقی نہیں رہیں کہ ان کے دبدبۂ و سطوت کا نقارہ بجائیں، دولت و ثروت کب کی جا چکی ہے، اور جو رہ چکی ہے، وہ بھی برقِ آتش زدہ ہے۔ نئی زمینوں پر قبضہ کرنے کی فکر کیا کریں کہ جو چند گوشے اپنے ایامِ ذلت و نکبت بسر کرنے کے لئے باقی رہ گئے تھے، اُن کے لائق بھی نہ نکلے۔ تہذیب و تمدن کی جگہ وحشت و جہالت ہمارا مایۂ انسانیت سمجھا جاتا ہے، اور دنیا کی قوموں کی فہرست میں ہمارے نام کے ساتھ "وحشی" اور "ناقابلِ حیات زندگی"، کے القاب لکھے جاتے ہیں، کیونکہ اللہ کی زمین پر رہنے کے اب قابل نہیں رہے۔ ہم سے زمینیں چھین لینی چاہئیں، اور جس قدر جلد ممکن ہو، ہمارے بارِ ذلت سے دُنیا کو پاک کر دینا چاہئے۔ ہماری تیرہ سو برس کی تاریخ کے بعد، آج کل کی سرگذشتِ حیات صرف اتنی ہی باقی رہ گئی ہے! فیا للعار! ویا للاسف! اٰہ! اٰہ ثم اٰہ!!

گلگونۂ عارض ہے نہ ہے رنگِ حنا تو
اے خوں شدہ دل تو تو کسی کام نہ آیا!

ہماری تمام متاعِ اقبال لُٹ چکی ہے، ایوانِ حکومت کھنڈر رہے ہیں، اور

تخت شاہی اُلٹ گئے ہیں۔ اب ہمارے پاس کچھ باقی رہ گیا ہے، تو بس یہی چند مسجدوں کی محرابیں ہیں، اور چند عبادت گاہوں کے صحن، اور یا پھر وہ گنبد سبز، جسکے نیچے دُنیا کا سب سے بڑا انسان سو رہا ہے۔

لیکن آج ایڈریانوپل کی جامع سلیم کے صحن میں بلغاریوں کے بوٹوں کی گرد اُڑ رہی ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ کل اَور کیا کچھ نہ ہوگا؟

پھر اے وہ لوگو! کہ اپنے ایوانِ حکومت کی حفاظت نہ کر سکے، کیا آج خدا کی عبادت گاہوں کی محرابوں اور اُس کی صدائے توحید بلند کرنے کے مناروں کی بھی حفاظت نہ کر سکوگے؟؟

غفلت سرشت انسان کا قاعدہ ہے کہ بہت سی مصیبتیں اس کے لئے اس قدر جگر دوز اور زہرہ گداز ہوتی ہیں کہ ان کا تصور بھی کرتا ہے تو کانپ اُٹھتا ہے۔ لیکن پھر جب وقت آجاتا ہے، اور وہ مصیبت سر پر آکر کھڑی ہوجاتی ہے، تو کچھ دیر تک متحیر رہ کر، کچھ دیر رو دھو کر، اور کچھ دیر ماتم و فغاں سنجی کرکے آگے بڑھجاتا ہے، اور جس وقت کے تصور سے لرزجاتا تھا، اُسکو اس طرح جھیل جاتا ہے، گویا کوئی واقعہ ہوا ہی نہ تھا!

ایک مدت سے ہم عالم اسلامی کے آخری مصائب کے تصور سے کانپ رہے ہیں۔ "آخری وقت"، اور "فیصلہ کن وقت" ہماری زبانوں پر ہے۔ ہم اُس وقت کا ذکر کرتے تھے، جب اعدائے اسلام ہمارے نیست و نابود کر دینے کے لئے اکٹھا ہو جائینگے، ہم اُس مصیبت کبریٰ کے خیال سے لرز اُٹھتے تھے، جب دشمن قسطنطنیہ کے دروازوں پر آپہنچینگے، ہم غافلوں کو ڈراتے تھے کہ ہوشیار رہوں، کیونکہ ایک وقت آنے والا ہے، جب آخری فیصلہ کی گھڑی سر پر آجائے گی۔ ہم سوتوں کو جگاتے تھے کہ اُٹھ کھڑے ہوں

کیونکہ وہ " فزع اکبر " اور " طامۃ الکبریٰ " کا وقت کبھی نہ کبھی آنے والا ہے، جبکہ فنا و بقا، اور موت و حیات کا فیصلہ آخری ہو جائے گا۔

پھر اگر آنکھیں کھول کر دیکھو تو اُس وقت موعودہ، اور مصیبت منتظرہ کا دن تو آگیا، اور اگر اسکی آخری ساعات نہیں آئی ہیں، تو اس کو بھی دور نہ سمجھو۔ لیکن کیا اپنی غفلت ہمیشگی کی عام عادت کی طرح اس بارے میں بھی ہمارا ویسا ہی حال ہوگا، جیسا کہ ہر آنے والی مُصیبت کے آجانے کے بعد ہوا کرتا ہے؟ کیا ہم اسے بھی جھیل جائینگے؟ کیا چند آنسوؤں کی ریزش، اور چند آہوں کی کشش سے زیادہ اور کچھ نہ ہوگا؟ اور کیا پانی سر سے گذر جائیگا اور ہمارے ہاتھوں کو حرکت نہو گی؟

خاک بدہنم، تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لو کہ وہ سب کچھ ہو گیا، جس کے ہونے میں اب کچھ دیر نہیں ہے۔ چشم تصور سے کام لو کہ جس آخری ساعت کے تصور سے ڈرتے تھے اور ڈراتے تھے، وہ مع اپنی آخری ہلاکتوں اور بربادیوں کے آگئی، انگلستان نے عرب عراق اور حجاز و حرمین کی ریاست کی دیرینہ آرزو پوری کر لی، شام پر فرانس نے قبضہ کر لیا، بقیہ ایشیا جرمنی کے زیر علم آگیا، قسطنطنیہ اور درہ دانیال کا بھی وہ حشر ہو گیا، جو مسئلہ مشرقی کے انفصال کے وقت سب سے پہلے ہو کر رہیگا، اور اپنی موت کی آخری خبر بھی ہم نے موجودہ جنگ کی خبروں کی طرح ریوٹر کی زبانی سُن لی، تو پھر بتلاؤ کہ اُس وقت اس کے سوا اور کیا ہوگا، جو کچھ کہ اِس وقت ہو رہا ہے؟ کیا در و دیوار سے سر ٹکراؤ گے؟ کیا آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور صحراؤں میں چلے جاؤ گے؟ کیا گنگا اور جمنا کی سطح تم کو اپنی آغوش میں لے کر بچا لے گی؟ یا بحر عرب کی موجوں میں تمھیں پناہ مل جائے گی؟

اگر ایسا نہ ہوگا تو پھر کیا دنیا میں کوئی انقلاب عظیم ہو جائیگا؟ کیا آفتاب اپنے مرکز حرکت کو چھوڑ دیگا؟ کیا زمین حرکت سے معطل ہو جائیگی؟ کیا ستارے آپس میں ٹکرا جائیں گے؟

اگر یہ بھی نہ ہوگا تو کیا ہم رات کا سونا اور دن کا کاروبار چھوڑ دینگے؟ کیا کھانا پینا بالکل بند کر دینگے؟ اور کیا ہم کو زندگی احتیاج باقی نہیں رہیگی؟

حالانکہ ہم کو دنیا کے اندر تبدیلی پیدا ہونے کی خواہش کا کیا حق ہے جب ہم خود اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتے؟

دُنیا اس طرح کبھی نہیں بدلی ہے، اور وہ ہماری امیدوں اور ولولوں کی تابع نہیں، ایران نے بابل کو مسمار کر دیا مگر آفتاب اُسی وقت طلوع ہوا جیسا کہ روز ہوتا تھا۔ سکندر نے ایران میں آگ لگا دی، مگر انسان نے اپنے گھروں کو، اور صحرا کی چڑیوں نے اپنے آشیانوں کو نہیں چھوڑا، بابل و نینوا کے عظیم الشان تمدن برباد ہو گئے، مگر ان کی بربادی کے ماتم میں شاید کائنات کے ایک ذرے نے بھی زحمت نہ اُٹھائی۔ یونان اور رومۃ الکبرٰے کے طلائی مندروں اور سنگی دار العلوموں کی دیواریں سرنگوں تھیں، اور اسکندریہ کے بیت العلم کا چراغ گل ہو گیا تھا، مگر عرب کے شتر سواروں نے کب اسکی پروا کی، اور اس انقلاب عظیم نے کب کاروبار عالم کو معطل کیا؟

اس کائنات ارضی کی گھڑی اپنے کیل پُرزوں پر چل رہی ہے، اور وہ ان حوادث و تغیرات سے بند نہیں ہو سکتی۔ پس اسکی تبدیلی کی خواہش بے فائدہ ہے۔ اس میں نہ کبھی تبدیلی ہوئی ہے اور نہ ہماری خاطر اب ہوگی، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ البتہ ایک دُنیا خود تمھارے اندر موجود ہے، سخت تعجب اور حیرت ہے اگر ان حوادث و انقلابات سے خود اسکے اندر کوئی تبدیلی نہ ہو!

اور اگر اس وقت نہ ہوگی تو پھر اور کس وقت کا انتظار ہے؟

ہماری ساری بدبختی اس میں ہے کہ ہم اپنی فتح و شکست کو ایڈریا نوپل کے سامنے ڈھونڈھتے ہیں، حالانکہ اسکا اصلی میدان تو ہمارے دل کے اندر ہے وفی انفسکم افلا تبصرون؟ جب تک ہم خود اپنے اندر فتح یاب نہوں گے، اُسوقت تک باہر بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

العجل العجل! الساعة الساعة!

ہاں ایک وقت آنے والا تھا اور وہ آگیا۔ ایک یوم الفصل تھا، جس کا آفتاب طلوع ہوگیا۔ پرانی پیشین گوئیوں میں کہا گیا تھا کہ آفتاب مغرب سے نکلے گا، اور توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آفتاب مغرب سے نکل چکا ہے اور توبہ کا دروازہ (کہ فقط مایۂ امیدواری ما بدبختان عالم بود) روز بروز ہم پر بند ہو رہا ہے۔ پس وقت آگیا ہے کہ جس کو اُٹھنا ہے اُٹھے، جس کو چلنا ہے چلے، اور جس کو اپنے روٹھے ہوئے خدا سے صلح کر لینی ہے کر لے۔ کیونکہ ساعت آخری، نتائج سامنے، مہلت قلیل، اور فرصت مفقود ہے،

فتنبھوا عباد اللہ! وقوموا ایھا المسلمون الغافلون! وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ، ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا وھم لا یسمعون۔ ان شر الدواب عند اللہ، الصم البکم الذین لا یعقلون۔

جستجوئے مقصود و توفیق الٰہی

موسم گذر رہا ہے، آسمان ہمیشہ مہربان نہیں ہوتا، اور وقت جاکر پھر واپس نہیں آتا۔ آج آٹھ ماہ سے میں دیکھ رہا ہوں کہ عالم اسلامی میں جو ایک عام

حرکت بیداری پیدا ہو گئی ہے، اور موجودہ مصائب نے بالخصوص مسلمانانِ ہند کے دلوں پر جو اضطراب طاری کر دیا ہے، وہ ایک اصلی اور حقیقی قوتِ کار، اور ایک آخری فرصت عمل ہے، جس سے اگر کوئی صحیح اور موصل الی المقصود کام نہ لیا گیا، تو پھر ہمیشہ حسرت و ماتم کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔

روپیہ کا فراہم کرنا، جذبات و عواطف اسلامیہ کو حرکت میں لانا، مجالس تذکرۂ مصائب، اور مجامع تحریک و تشویق، اور اسی طرح کی تمام باتیں، در اصل ضمنی اور بطور ذرائع و وسائل کے تھیں۔ پھر اگر ہماری تمام بیداری صرف آلات کی طیاری ہی میں صرف ہو گئی، اور اصل عمل کی توفیق نہ ملی، تو یہ ایک بہت بڑی بدبختی ہوگی۔

لوگوں کی نظر سطحی اور بالائی چیزوں پر تھی، مگر میں حقیقت حال کو سوچ رہا تھا لوگ متاسف تھے کہ محرابیں خوشنما نہیں، انھیں بدل ڈالیے، مگر میں رو رہا تھا کہ بنیاد کھوکھلی ہو گئی ہے، اُس کی درستگی کی کیا تدبیر ہو؟

اصلی چیز یہ تھی کہ یہ وقت کے مصائب در اصل اُن دائمی اور مستمر اسباب کا نتیجہ تھے، جو پچھلی دو صدیوں سے عالمِ اسلامی پر طاری ہیں، اور جب تک اس سوراخ کو بند نہ کیا جائے، جہاں سے سیلاب نکل کر بہا ہے، اُس وقت تک صرف پانی کے ڈول بھر بھر کر پھینکنا، یا در و دیوار کو مضبوط بنانے کے لئے مصالحہ جمع کرنا بالکل لاحاصل ہے۔

میں اپنے کاموں سے غافل نہ تھا۔ (الہلال) میں جو کچھ لکھ رہا تھا، اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی ہمتوں اور عزموں کا اصلی مصرف نہیں سمجھا، بلکہ ہمیشہ کسی اور مقصد حقیقی کی طرف جانے کے لئے ایک وسیلہ و ذریعہ یقین کیا لیکن مشکل یہ تھی کہ طریق عمل کا فیصلہ آسان نہ تھا۔

اس عرصے میں کتنی اسکیمیں بنائیں، اور پھر ان کو چاک کیا، کتنی راہیں سامنے

آئیں اور پھر ایک قدم اُٹھا کر واپس آگیا۔ ہمارا مرض ایک ہی نہیں ہے، اور ہمارا گھر ہر طرف سے اُجڑا ہوا ہے۔ ضرورت ایک ایسے راہِ عمل کی تھی، کہ ایک ہی راہ ہو، کیونکہ ایک وقت میں انسان ایک ہی راہ پر چل سکتا ہے، لیکن ایسی ہو کہ پھر اسکے بعد کسی دوسری راہ کے تلاش کی ضرورت باقی نہ رہے، اور ہمارے تمام امراض کیلئے ایک نسخۂ وحید، اور علاج جامع ہو۔

آپ یقین کیجئے کہ میں نے بہت سوچا۔ انسانی دماغ کسی چیز پر جس قدر غور کر سکتا ہے، شاید میں نے ہمیشہ کیا، او متصل اور پیہم کیا، مگر با ایں ہمہ کسی ایک تجویز اور راہ پر پہونچکر نہ رُک سکا۔ یہاں تک کہ میں تھک گیا، اور قریب تھا کہ مجھپر عالم تحیر و تعطل طاری ہوجائے اور قوت فیصلہ جواب دیدے۔

اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور

لیکن جبکہ میں تلاش مقصود میں بھٹک رہا تھا، تو اُس نے، جس کا ہاتھ ہمیشہ سرگشتگانِ حیرانی کا دستگیر، اور گم گشتگانِ تحیر کے لئے رہنما و دلیل ہے، میرا ہاتھ پکڑ لیا، اور چہرۂ مقصود کو بے نقاب کردیا، میں نے اُس بجلی کی طرح جو اچانک ظلمتِ طوفانی میں چمکتی ہے، اس کو دیکھا، پر اُس نے بجلی کی طرح مجھ سے بے وفائی نہ کی، اور اپنی روشنی دے کر پھر واپس نہ لی۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا، وان اللہ لمع المحسنین (۲۹ - ۶۹)

اب میری حیرانی ختم ہوگئی ہے، میں ظلمت میں نہیں بلکہ الحمد للہ کہ روشنی میں ہوں، پس طیار ہوں کہ اٹھوں اور جو راہ اُس نے دکھلائی ہے بلا توقف اسکی طرف روانہ ہوجاؤں

وہ جو دلوں کو کھولتا، دماغوں کی رہنمائی کرتا، آنکھوں کو دکھلاتا اور ہاتھوں کو پکڑتا ہے، ضرور ہے کہ اپنی راہنمائی کا دروازہ آج بھی کھلا رکھیگا اور ٹھوکروں اور گمراہیوں سے بچا لیگا، وہ ہر اُس دل کے لئے تھا ہے، جو اسکے لئے تھا ہونا چاہیے اور ہر اُس بھروسہ کرنیوالے کو بچانیوالا ہے جو اسپر بھروسہ کرے۔ اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور (۲ - ۲۵۸)

النبأ الالیم

والفزع الاکبر

ابھی کل کی بات ہے کہ مرحوم (نیازی بک) کی شہادت کے حادثے پر لکھتے ہوئے ہم نے ایک ماتمی تمہید لکھی تھی، اور اپنی خانماں بربادیوں کو ایک تہی دست فقیر سے تشبیہ دی تھی، جسکو اپنی بچی کھچی پونجی کا ایک ایک پیسہ، اشرفیوں اور زرو جواہر سے بھی زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

لیکن ابھی وہ قصۂ غم ختم نہوا تھا کہ ہز ایکسلنسی محمود شوکت پاشا کے ناگہانی قتل ہو جانے کی خبر الیم نے ایک تازہ زخم کا سامان دلوں کے لئے کر دیا، حالانکہ اگر دلوں کے زخم ہی مطلوب ہیں تو اُن کی پیشتر ہی سے کیا کمی تھی؟

لیکن آہ، اب زخموں کے دن گئے، جسم پر اگر دس بیس زخم ہوں تو انھیں زخم کہنا چاہیے، لیکن جو جسم از فرق تا بقدم زخموں کے سوا کچھ نہو، وہ نئے زخموں کے لئے کہاں سے جگہ لائے؟ اب اس کے لئے زخموں کے استقبال کا انتظار نہیں ہے بلکہ زخم سے بھی بڑھکر کسی چیز کا، یعنی موت کی تڑپ اور فنا کے نظارے کا!!

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

حیران ہوں کہ اس حادثۂ ہائلہ اور اس فزع اکبر کی تمہید ماتم و تعزیت میں کیا لکھوں؟

نئی مصیبتوں کی سختی پچھلی مصیبتوں کو بھلا دیتی ہے، اور بیماری کے آخری ایک دن کے شدائد، مہینے بھر کی مصیبتوں کو فراموش کرا دیتے ہیں۔ ہمارے گھر کی

آتش زدگی کو صدیاں گزر گئیں، لیکن پچھلے دو سالوں سے تو ہر لمحہ کسی نہ کسی نئی بربادی کے استقبال میں ہی کٹ رہا ہے، مصیبتوں کی جب یہ کثرت ہو تو ماتم گساروں کی زبانیں فغاں سنجی سے، اور ہاتھ سینہ کوبی سے بھی کیوں نہ تھک جائیں ؟ حوادث و مصائب کی کثرت کی حد ہوگئی کہ اب ماتم گساروں کو نئے ماتموں کے لئے اظہار غم واندوہ کے الفاظ بھی نہیں ملتے۔ کثرت غم سے آنکھوں کے آنسو خشک ہو جاتے ہیں، زبانیں بھی اگر بند ہو جائیں تو عجب نہیں ؟

غم واندوہ کے فسانوں میں ایسے گھرانوں اور خاندانوں کی مصیبتیں بیان کی گئی ہیں، جن پر ایک ہی وقت میں ہزاروں غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ مثلاً کوئی جنگ، جس نے ایک ہی معرکے میں ان کے تمام افراد کو تہ تیغ کر دیا۔ کوئی بیماری، جس کی ہوا چلی، اور چند گھنٹوں کے اندر سب کے جنازے اٹھ گئے، کوئی ملکی جرم و عقوبت کا حادثہ، جسکی پاداش میں سب کے سب سولی پر چڑھا دیے گئے۔ یہ محض افسانے ہی نہیں ہیں، بلکہ اس ماتم سرائے عالم میں نہیں معلوم روز ایسے کتنے حوادث و واقعات ہیں، جو گذرتے ہیں، اور ایک ایک زندگی کے اندر ایک ایک مجسم افسانہ پنہاں ہے۔

غور کیجیے تو یہ چند افراد کے مصائب ہیں مگر ہماری قومی و ملی بربادیوں کا بھی یہی عالم ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے کسی فرد ہی پر نہیں بلکہ فرزندان ملت کے پورے گھرانے پر ایک ہی وقت کے اندر ساری مصیبتیں گھر آئی ہیں۔ ماتم و حسرت کا ایک جنازہ طیار کرتے ہیں، زبانیں فغاں سنجی میں، اور ہاتھ سینہ کوبی میں مصروف ہوتے ہیں، لیکن ابھی اسپر جی بھر کے رونے بھی نہ پائے تھے کہ ایک دوسرے جنازے کی طیاریاں شروع ہو جاتی ہیں! پھر کس کس کا ماتم کیجیے اور کس کس پر رویئے ؟

کلیم از دست بیدادِ کے نالیم؟　بہ کشتِ ماگذارِ لشکرافتاد

بربادیوں کی یہ انتہا ہے کہ اگر ہماری بچی کھچی دولت غیروں کے ہاتھ جنگ کے میدان میں نہ لٹی، تو شہر کی گلیوں میں خود اپنے ہی ہاتھوں تاخت و تاراج کی جارہی ہے۔

میرا ہو آشیانہ، اور آدھا جلا ہوا　بجھ بھی گئی تھی آگ تو بجلی کو کیا ہوا؟

لبِ مرگ بیمار اپنا ایک ایک دن گنا کرتا ہے، اور جب سختیوں اور بے چینیوں کا ایک آفتاب غروب ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ ایک دن اور گذر گیا۔ یہی حال ہماری ملت بیمار، اور امتِ مریضہ کا ہے۔ یہ لوگ جو آج جنگ کے میدانوں یا امن کی سازشوں میں تڑپ رہے ہیں، در اصل ہمارے بقیہ ایام حسرت کے چند ایام معدود تھے، جو ایک ایک کر کے یکے بعد دیگرے ہم سے رخصت ہوگئے۔ مرحوم شوکت پاشا بھی ہماری بقیہ زندگی کا ایک آخری شاندار دن تھا، اور افسوس کہ آج وہ بھی غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؀

تفصیل حادثہ۔ حادثہ کے متعلق خبریں بالکل مبہم ہیں، اور خاص تفصیل بھی ہمارے پاس نہیں پہنچی۔ تمام تاروں کا خلاصہ یہ ہے کہ گذشتہ بدھ کو مرحوم ایک موٹر کار میں سوار جا رہے تھے۔ انکے ساتھ ایڈیکانگ موجود تھے۔ یکایک ایک مقام پر دو آدمیوں نے ریوالور سے حملہ کیا، اور گولی نشانے پر لگی۔ وہ خود اور ایک ساتھی دونوں شہید ہوگئے۔

پولیس نے اس موقعہ پر حیرت انگیز مستعدی اور انتظامی قابلیت دکھلائی۔ کسی طرح کی بدامنی نہ ہونے دی۔ فوراً قاتلوں کی تفتیش شروع ہوگئی۔ اب تک کئی گرفتاریاں عمل میں آچکی ہیں۔ ایک شخص توپال قدری نامی زیادہ مشتبہ ہے، جو ناٹا کے ایک انگریز کے مکان میں پوشیدہ تھا۔ تاہم قطعی سراغ لگا لینے کا کوئی اعلان نہیں ہوا ہے۔

سلطان اعظم نے فوراً عہدۂ صدارت عظمیٰ پر پرنس حلیم پاشا کو مقرر کر دیا، اور نہایت

اعزاز اور احتشام سے رسوم تدفین عمل میں آئے۔

جو حالات قسطنطنیہ کے پیش نظر ہیں، ان کے لحاظ سے اس واقعہ کی علت تاریکی میں نہیں رہ سکتی۔ یہ قطعی ہے کہ یہ حادثہ انجمن اتحاد و ترقی کے مخالفین کی سازش سے وقوع میں آیا، جو آخری انقلاب کے بعد سے مصروف کار تھے۔ لیکن خواہ کچھ ہو، ٹرکی کے برباد شدہ خزانے کا ایک سب سے زیادہ قیمتی ہیرا تھا، اور وہ بھی اسکے ہاتھ سے نکل گیا!!

خلیفہ مامون الرشید عباسی

اور

الزام قتل حضرت امام رضاؑ

سوال

از مولانا محمد حسین صاحب (بیدر علاقہ نظام)

الہلال نمبر ۸ جلد ۲ - مورخہ ۱۹ ار کے صفحہ (۱۳۸) کے دوسرے کالم میں بعنوان " اعلان " یہ تاریخی غلطی دیکھکر مجھے سخت حیرت ہوئی کہ جناب سید علی غضنفر صاحب نے مامون الرشید عباسی کو حضرت امام علی بن موسی رضا علیہ الصلوۃ والسلام کا قاتل قرار دیا ہے۔ تمام صحیح تاریخوں نے (جن کے نام گنا کر مجھے اپنی قابلیت ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں) مامون الرشید کو محب اہل بیت ظاہر کیا ہے اور حضرت

امام علی بن موسی رضا علیہ السلام کو اپنے بعد خلیفہ قرار دینے کا ذکر کیا ہے۔ ایسے جلیل القدر خلیفہ اور محب اہل بیت پر حضرت امام کو "مہمان بلا کر دغا سے شہید" کرنے کا الزام لگانا، اس شخص کو اور نیز حضرت امام کے روح مطہر کو تکلیف دینا ہے۔ اگر جناب کو فرصت ہو اور الہلال کے بیش قیمت کالموں میں کچھ گنجایش نکل سکے، تو براہ کرم اس تاریخی مسئلہ پر کچھ تھوڑا سا تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

قطع نظر اس تاریخی غلطی کے عنوان اعلان کے تحت میں اس بے محل واقعہ کا بیان کرنا جسقدر صاحب اعلان کی خوش مذاقی ظاہر کرتا ہے، اسکا ذکر خارج از بیان ہے۔ ایک جلیل القدر مسلمان بادشاہ اور ابن عم رسول اللہ صلعم کو بر ا کہکر ہمارے جذبات سے اپیل کرنا کہ "ایک مجلس عزائے حضرت امام علی بن موسی رضی علیہ السلام مقرر کریں اور روسیوں کے ساتھ مامون الرشید بے گناہ کو بھی برا کہکر ایک دوسرے سے رسم تعزیت ادا کریں اور اس طرح ارواح طیبہ حضرات معصومین کو شاد کریں"، کس قدر غلط و ناموزوں و فتنہ انگیز طریقہ ہے؟

جواب

(از مولانا ابوالکلام صاحب آزاد)

میں جناب سے اس خیال میں بالکل متفق ہوں کہ مولوی سید علی غضنفر صاحب نے اظہار مقصد کے لئے اچھا پیرایہ اختیار نہیں کیا، حالانکہ ان کے اختیار میں تھا۔ وہ بغیر ایک مختلف فیہ تاریخی الزام کو چھیڑنے کے، اپنا مقصد اچھی طرح انجام دے سکتے تھے۔

میں مصلحت عمومی کا قائل ہوں، مگر اس کا قائل نہیں کہ کسی خوف سے تاریخی تحقیقات و مذاکرات و مناظرات کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ تاہم غالباً سید علی غضنفر صاحب ایک مفید وقت اور نافع عموم اہل اسلام تحریک کی دعوت

دے رہے تھے، مناظرہ نہیں کر رہے تھے۔ وہ وقت گذشتہ الزاموں کی یاد تازہ کرنے کا نہ تھا۔

تاہم معاف کیجئے۔ آپ کو بھی اسپر برہم ہونے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ دیکھئے، مسٹر امین الدین صاحب بیرسٹرایٹ لانے گذشتہ اشاعت میں اپنا تمام وقت اصل تحریک کی نسبت کس طرح مشورہ دینے میں صرف کیا، اوران امور سے غض بصر کر کے اُس غلطی کی پیروی نہ کی، جو سید صاحب سے ہوئی تھی۔

بہرحال اب آپ نے پوچھا ہے تو کیا کروں اگر جواب نہ دوں؟ ورنہ سر دست ان بحثوں کی ضرورت نہیں دیکھتا۔

واقعۂ شہادت حضرت امام رضاؑ

حضرت امام (علی بن موسی الرضی) علیہ وعلی آبائہ واجدادہ الصلوۃ والسلام کی وفات کا واقعہ آج ہی نہیں، بلکہ غالبًا واقعہ کے وقت ہی سے مشتبہ ہو رہا ہے۔ عام تاریخوں کا ابتدائی بیان تو یہ ہے :۔

وکان سبب موتہ انہ اکل عنبًا، فاکثر منہ فمات فجاءۃً۔ (مختصر الدول صفحہ ۲۳۳)	ان کی موت کا سبب یہ ہوا کہ انگور بہت کثرت سے کھا لئے تھے، جنھوں نے نقصان پہونچایا اور یکایک انتقال فرما گئے۔

لیکن یہ سبب اس قدر مہمل اور بے معنی ہے کہ کوئی شخص تسلیم نہیں کر سکتا۔ پس اس میں شک نہیں کہ آپ کو انگور میں زہر ملا کر دیا گیا۔ جس طرح آجکل کی سرکاری خبریں ہوا کرتی ہیں۔ اسی طرح سرکاری اعلان میں انتقال کی وجہ یہ بیان کی گئی ہوگی کہ کثرت سے انگور کھا گئے تھے۔

اس امر کی اُسی زمانے میں کافی شہرت ہوگئی تھی کہ انتقال زہر کی وجہ سے ہوا

چنانچہ (کاتب عباسی) سے لیکر ابن اثیر وغیرہ تک، سب زہر خورانی کو تسلیم کرتے ہیں، اور اسکی نسبت خاص خاص تفصیلات بھی بیان کرتے ہیں۔

الزام قتل کا اصلی مُلزم

لیکن زہر کس نے دیا؟

انصاف یہ ہے کہ اس بارے میں (مامون الرشید) کا دامن مشتبہ ضرور ہے، اگرچہ ہمارے پاس دلیل قطعی کوئی نہیں۔ دونوں پہلو قوی ہیں، اور سوءِ ظن سے اجتناب شاید قرین احتیاط سمجھا جائے۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ تاریخ کی راہ مذہبی عقیدت اور حسن ظن کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ یہاں بحث "ابن عم رسول اللہ" (صلعم) کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک مسلمان حکمراں مامون الرشید نامی شخص کی نسبت ہے۔

انتقالِ خلافت اور عباسیہ کی برہمی

اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ۲۰۰ھ میں مامون الرشید نے ارادہ کیا کہ اپنے بعد کسی شخص کو ولی عہد مقرر کردے۔ اس غرض سے اس نے تمام بنی عباس و علویین کو جمع کیا اور کچھ عرصے کے غور و فکر کے بعد ایک مجلس منعقد کرکے حضرت امام (علی بن موسی الرضیٰ) کی ولی عہدی کا اعلان کردیا:۔

انہ نظر فی بنی العباس وبنی علی فلم یجد احداً افضل ولا اورع ولا اعلم من علی بن موسی فانہ عقد لہ العھد من بعدہ۔

اس نے تمام خاندان عباس و علی پر نظر ڈالی، لیکن کسی شخص کو امام علی بن موسیٰ سے بڑھکر صاحب علم و تقویٰ نہ پایا پس انہی کو اپنے بعد ولی عہد خلافت مقرر کیا۔

عباسیوں کا لباس رسمی سیاہ تھا اور علویوں کا سبز۔ بیعت کے بعد اُس نے احکام جاری کئے کہ آج سے سیاہ لباس ترک کر دیا جائے اور تمام فوج و اعیانِ ملک سبز لباس اختیار کریں۔

اس واقعہ نے تمام عباسیوں اور بنی ہاشم میں باہمی و غیظ و غضب کی آگ بھڑکا دی۔ لوگوں نے علانیہ کہنا شروع کر دیا۔

لا تخرج الخلافۃ منا	یہ ممکن نہیں کہ خلافت ہمارے ہاتھ سے نکل کر جائے یعنی

الی اعداء ائمتنا	(سادات و علویین) کے ہاتھ میں چلی جائے۔

(مامون) خراسان میں تھا۔ دارالخلافہ بغداد میں تمام لوگ اسکی طرف سے پھر گئے یہاں تک شورش بڑھی کہ علانیہ اس کی بیعت توڑ کر اسکے چچا (ابراہیم ابن المہدی) کے ہاتھ پر بیعت کی (مبارک) کے لقب سے وہ تخت پر متمکن ہوا۔ (اغانی) نے لکھا ہے کہ چونکہ ابراہیم شعر و موسیقی میں درجۂ انتہا رکھتا تھا اسلئے مشہور شاعر (ابوفراس بن حمدان) نے یہ شعر لکھا۔

منکم علیۃ ام منہم ؟ وکان لکم	شیخ المغنین ابراہیم ام لھم ؟

مامون کا تشیع اور ایثار

مامون الرشید نے عباسیہ کے استحقاق خلافت کے ایسے عظیم الشان اور بنیادی مسئلہ میں کیوں تغیر کیا ؟ اور کیوں بنی ہاشم و عباسیہ کی دشمنی مول لی ؟

میں ایک لمحہ کے لئے بھی اسکو تسلیم نہیں کر سکتا (جیسا کہ برادران شیعہ کا خیال ہے) کہ یہ محض ایک مکر و خدع اور حضرت امام کو شہید کرنے کی ترکیب تھی اگر مامون کے تشیع اور محبت اہل بیت کی واقعیت سے انکار بھی کر دیا جائے تب بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ ایسا کرنے کی اسکو ضرورت ہی کیا تھی ؟ اگر کسی سبب سے

(حالانکہ وہ معلوم نہیں)، حضرت امام کو وہ شہید ہی کرنا چاہتا تھا، تو کیا اس کی یہی تدبیر تھی کہ ایسا عظیم الشان تغیر مسئلہ خلافت میں کرکے، اور تمام دنیا کو اپنا دشمن بنا کے، پھر اُسکے بعد ان کو شہید کرا دے؟

اصل یہ ہے کہ مامون کی محبت اہل بیت اور مذاق تشیع سے انکار کرنا، تاریخ کی شہادات موثقہ کی بلا وجہ توہین ہے۔ اُس نے (برامکہ) کی گودوں میں پرورش پائی تھی جو شیعہ تھے۔ عجمیوں کی سوسائٹی میں رہا، اور اس وقت تک شیعیت کو سیاسی لحاظ سے مخصوص بعجم سمجھا جاتا ہے۔ تخت نشین ہونے کے بعد بھی اسکا ساتھ (خاندان سہل) کے ساتھ رہا اور یہ شیعہ تھے۔ اس نے اعلان کردیا تھا کہ "جو شخص معاویہ کو اچھا کہیگا، دائرۂ اطاعت سے باہر ہے" (متعہ) کی حلت کا جیسا شدید اور جابرانہ حکم اُس نے دیا تھا، وہ تاریخوں میں موجود ہے۔ حضرت امیر علیہ السلام کی افضلیت کی نسبت اسکے مباحثے طول طویل ہیں۔

خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے باغ (فدک) سادات کو دیدیا تھا، مگر پھر اسکے بعد ان کے قبضے میں نہیں رہا۔ مورخین نے تصریح کی ہے کہ مامون الرشید نے دوبارہ سادات کو واپس کردیا کہ انہی کا حق ہے۔

تمام عباسیہ میں اسی کا عہد ہے کہ سادات و علویین کی قدر و منزلت حتیٰ کہ ملکی عہدوں پر فائز ہونے کے واقعات نظر آتے ہیں۔ اسکے زمانے میں سادات نے متعدد فوجی تحریکیں دعوے خلافت کے ساتھ شروع کیں، مگر مامون نے ہمیشہ درگذر و عفو، اور نرمی و آشتی سے کام لیا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ وہ (سفاح) اور (رشید) کا جانشین تھا؛ اور اسی تخت پر بیٹھا تھا، جس پر (متوکل) بیٹھنے والا تھا۔

پس حضرت امام کو ولی عہد مقرر کرنے کا اصلی سبب قوی محبت اہل بیت اور والہانہ شغف خاندان علی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

ایک اور سیاسی سبب

البتہ صرف ایک سبب اور ہے، جو اسکے ذیل میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ اور میں اسکو سیاسی نظر سے وقیع سمجھتا ہوں۔ یعنی (عجمی) اقتدار کی افزائش، اور عربی قوت کو ضعیف کرنے کی تحریک، جو فی الحقیقت آغاز عہد عباسیہ سے شروع ہو گئی تھی برامکہ، آل نوبخت، اور خاندان سہل وغیرہ یکے بعد دیگرے اس کے ارکان و دعامات میں سے رہے ہے، اور خود مامون کا وجود عجمی اثر کی فیتحیابی کا ایک واقعہ تھا۔ ہارون الرشید کے زمانے میں جب (امین) اور (مامون) کی ولی عہدی کی رقیبانہ کشمکش ہو رہی تھی، تو وہ در اصل عجم و عرب کی منافست و مسابقت کی معرکہ آرائی تھی۔ مامون کی کامیابی نے عجمی اقتدار کو قائم کر دیا، اور سادات و علویین کی طرفداری اس وقت تک عجم کا سیاسی مذہب تھا۔

طبری، ابن اثیر، ابن عبدربہ، اور فخری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ حضرت امام رضا کی ولی عہدی کا معاملہ در اصل (فضل بن سہل) کے ہاتھوں انجام پایا۔ پس اسی ولی عہدی کا ایک دوسرا سبب قوی یہ بھی تھا کہ اس کے ذریعہ بنی ہاشم و عموم عرب کا زور توڑا جائے، اور عجمی اقتدار ہمیشہ کے لئے تخت خلافت پر قابض و محیط ہو جائے۔

بہرحال سبب کوئی ہو، مگر یہ ولی عہدی ایک سچی خواہش اور ارادے کا نتیجہ تھی۔ مکر و خدع اور حیلہ تراشی نہ تھی، گو اور صدہا موقعوں پر ایسا بھی ہوا ہو۔

ولی عہدی کے بعد

البتہ اصلی سوال یہ ہے کہ جب (امام رضا) کی ولی عہدی کا اعلان ہو گیا، اور

اس کی وجہ سے تمام بغداد میں برہمی پھیل گئی، حتیٰ کہ مامون کی خلافت بھی قائم نہ رہی اور اسکی بیعت توڑ کر لوگوں نے ابراہیم مبارک کو تخت پر بٹھا دیا۔ تو یہ مخدوش اور تخت خلافت کو اُلٹ دینے والا رنگ دیکھکر مامون مجبور تو نہیں ہو گیا کہ اپنی حکومت اور ذات کے تحفظ کے لئے اُس سبب کا انسداد کرے، جسکی وجہ سے یہ تمام نتائج پیدا ہوئے ہیں؟

شخصی حکمراں کیلئے اعتقاد کوئی چیز نہیں

شخصی حکومتوں کی حالت اس بارے میں بالکل ناقابل اعتماد ہے۔ منٹوں اور لمحوں کے اندر تغیرات ہو جاتے ہیں، اور کسی حالت کو دوام و قرار نہیں ہوتا۔ شخصی حکمرانوں کے سر پر تاج ہوتا ہے، مگر پہلو میں دل نہیں ہوتا۔ ان کے تمام جذبات "تاج" کی حفاظت کے ماتحت ہوتے ہیں اور اس بارے میں وہ گویا انسان کی تمام فطری جبلت کے علاوہ ایک نئی جنس خاص بنجاتے ہیں محبت و عداوت، احسان و ممنونیت، رشتہ داری و تعلقات نسل، اور اس قسم کے وہ تمام جذبات، جنکو اخلاق، فطرت انسانی میں دخیل تبلاتا ہے، انکے لئے بالکل بے اثر ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ اس بارے میں وہ ملامت کے مستحق نہیں بلکہ رحم کے حقدار ہیں۔ انسان پر سب سے زیادہ غالب جذبہ، حفظ نفس اور طلب نفع کا ہے۔ اسکے تمام اعمال ارادی کا محور یہی جذبہ ہے۔ شخصی فرماں روائی کا تاج گو لعل و جواہر کا ہوتا ہے، مگر اسکے اندر ہلاکتوں اور خطروں کے کانٹے بکھرے ہوتے ہیں۔

منصور نے (ابو مسلم) کے ساتھ کیا گیا اور اُس نے کیا کیا تھا؟ اُس نے چھ سو برس تک رہنے والی حکومت دلائی اور منصور چند لمحوں کی زندگی دینے پر بھی راضی نہوا!

(ہادی) کی موت کا واقعہ بھلایا نہیں جا سکتا، جو اسی خاندان کا واقعہ ہے۔ (برامکہ) کے ساتھ (رشید) کا جو کچھ تعلق تھا، وہ محتاج تشریح نہیں۔ اور سب باتوں سے قطع نظر کیجیے۔ خود تخت خلافت کے ملنے میں (یحییٰ برمکی) کی مساعی کیسی عظیم الشان ہو گئی تھیں؟ مگر اس شخصی حکومت اور پولیٹکل مجبوری نے جو کچھ (رشید) سے کرایا، وہ تاریخ عباسیہ کا ایک مشہور افسانۂ غم ہے۔ (امین) مامون کا بھائی تھا جب قید خانہ میں اسپر تلوار چلائی گئی تو اس نے تکیے کو ڈھال بنا کر کہا: "انا ابن عم رسول اللہ! انا ابن ہارون! انا اخو المامون! اللہ اللہ فی دمی!" "میں رسول اللہ کے چچا کا فرزند ہوں! ہارون کا بیٹا ہوں! مامون کا بھائی ہوں۔ ظالمو! میرے ساتھ یہ کیا کر رہے ہو؟" لیکن کچھ نہ چلی اور بالآخر قتل کر دیا گیا۔ (ذوی الریاستین) نے (مامون) کے ساتھ وہی کیا تھا، جو (ابو مسلم) نے منصور کے ساتھ، (بیرم) نے (اکبر) کے ساتھ، اور (میر جملہ) نے (عالمگیر) کے ساتھ، مگر بالآخر جب انکا اقتدار بڑھا اور (ابو مسلم) کی سی حالت پیش آئی، تو اسی حکومت کے تحفظ کے لیے (جو اسکی سعی سے ملی تھی) مجبور ہوا کہ چند آدمیوں کو بھیجکر حمام میں قتل کرا دے۔

(طاہر) ذوالیمنین کے ساتھ بھی اسکو ایسا ہی سلوک کرنا پڑا۔ خاندان آل عثمان کی تاریخ پڑھئے۔ آخر وہ بھی تو انسان تھے، جنھوں نے اپنی اولاد کو قتل کرایا، اور بھائیوں کے قتل کے واقعات کو تو کون شمار کر سکتا ہے؟

(شاہجہاں) اور (اورنگ زیب) اسی کمبخت شخصی حکومت کیلئے جن کاموں پر مجبور ہوئے، ان کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں۔

ہم جب اُن لوگوں کی نسبت بحث کرتے ہیں، تو ہمارا ہاتھ اپنے دل پر ہوتا ہے، جو کسی کے تلوے میں کانٹا چبھے تو تڑپ جاتا ہے۔ اُس دل کو بھول جاتے ہیں جسکو چتر شاہی اور تاجِ حکومت کے سایے میں تیغ اور دوبے کا ہنگامہ دیکھنا پڑتا ہے

اس بارے میں خود (مامون) کا کیرکٹر ہمارے سامنے ہے۔ ہم نے اُن واقعات کی طرف سرسری اشارہ کیا کہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔ آپ براہ کرم تاریخوں پر نظر ڈال لیں۔

مامون کے طرزِ عمل میں انقلاب

دیکھئے (مامون) کی محبت اہلِ بیت اور میلانِ تشیع کس قدر بیّن، اور اس کی صداقت کیسی ناقابلِ انکار ہے؟ سنہ ۲۰۱ ہجری میں اُس نے خود ہی سیاہ لباس کی ممانعت کر کے اور سبز لباس لازمی قرار دیکر تمام خاندان کو دشمن بنا لیا تھا، لیکن بالآخر جب مجبور ہوا تو چھ برس کے بعد بالکل اسکے متضاد اور برعکس حکم جاری کیا کہ "تمام سادات اپنا ممتاز لباس سبز ترک، اسکی جگہ آلِ عباس کا سیاہ لباس اختیار کریں، اور آیندہ سے دربار میں ان کو آنے کی اجازت نہیں۔"

غور فرمائیں کہ (مامون) کے طرزِ عمل میں یہ کیسا عظیم الشان انقلاب تھا؟

مامون کی مشکلات

حقیقت یہ ہے کہ (مامون) کے الفت و محبت اہلِ بیت کرام میں تو کوئی شک نہیں، لیکن خاندانِ عباسیہ کی مخالفت اور برہمی نے اسکو مجبور کر دیا۔ ورنہ وہ خود اپنی رائے پر قائم اور مستقیم تھا۔

ولی عہدی کے واقعہ نے تمام بغداد میں بغاوت پھیلا دی تھی، اور (ابراہیم) کے ہاتھ پر بیعت بھی لی جا چکی تھی، لیکن (ذوی الریاستین) کی دربار خلافت پر حکومت تھی۔ اس نے (مامون) کو ملک کی حالت سے بے خبر رکھا۔ کوئی شخص بغیر اسکے حکم کے کوئی خبر مامون تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔ ہرثمہ نے جرأت کی،

مگر (ذوی الریاستین) کے دسیاسئں کا شکار رہا۔ یہاں تک کہ (حسن بن سہل) مقابلے کے لئے روانہ ہوگیا، اور پھر بھی (مامون) کو یہی خبر دی گئی کہ وہ ابراہیم بغداد میں نائب الریاست کی حیثیت سے کام کر رہا ہے، کوئی خدشہ کی بات نہیں“

امام رضا کا مامون پر احسانِ عظیم

یہ حالت دیکھ کر امام (علی رضا) سے صبر نہ ہو سکا۔ وہ ایک دن آئے اور مامون سے کہا:-

یا امیر المومنین ان الناس ببغداد قد انکروا علیک ما یعنی بولایۃ العھد وتغییر لباس السواد و قد خلعوک وبایعوا عمک ابراہیم بن المھدی (الفخری صفحہ ۲۰۰)	یا امیر المومنین! بغداد میں لوگ آپ کے مخالف ہو گئے ہیں۔ اس سبب سے کہ آپ نے مجھکو ولی عہد مقرر کیا، اور سیاہ لباس کی جگہ سبز لباس پہننے کا حکم دیا۔ انھوں نے آپکی بیعت توڑ دی ہے اور آپکی جگہ آپکے چچا ابراہیم بن مہدی کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں

اب (مامون) کی آنکھیں کھلیں۔ وہ اب تک (ذوی الریاستین) کے ہاتھ میں اسی طرح ایک عضو معطل تھا، جیسا کہ عرصے تک (اکبر) بیرم کے ہاتھ میں رہا تھا۔ اس کو اپنی بے خبری اور معطلی کے حس کے ساتھ ہی طوفانِ ہلاکت کا بھی علم ہوا؛ جو اہلِ بیت کی محبت اور امام رضا کی ولی عہدی کی بدولت اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

تاریخ مشاہدے کا نام نہیں ہے، بلکہ روایت کا، اور پھر قرائن و تجسّسِ ظنونِ غالبہ، اور بحث و تعلیل کا۔ غور کرنا چاہئے کہ قدرتی طور پر (مامون) اس وقت کن خیالات سے دوچار رہا ہوگا؟ اور حفظِ حکومت و نفس نے کن مصالحِ وقت کو پیشِ نظر کر دیا ہوگا؟

وسیسۂ قتل ذوی الریاستین

اس نے وہی کیا جو ہر شخصی حکمران ایسے موقعہ پر کرتا ہے۔ ایک جماعت با ہر کے لوگوں کی (ذوی الریاستین) کے پیچھے لگادی :-

فدس جماعة على الفضل، فقتلوه في الحمام ثم اخذهم وقدمهم ليضرب اعناقهم فقالوا له: انت امرتنا بذلك، ثم تقتلنا؟ فقال لهم: انا اقتلكم باقراركم، واما ما ادعيتموه علي من اني امرتكم بذلك، فدعوى ليس لها بينة، ثم ضرب اعناقهم وحمل رؤسهم الى الحسن بن سهل وكتب بتعزيته وبولايته مكانه۔

یعنی مامون نے ایک جماعت فضل کے قتل کے لئے خفیہ لگا دی۔ انھوں نے اسکو حمام میں قتل کر ڈالا۔ پھر مامون نے قاتلوں کو پکڑ والیا اور قتل کا حکم دیا۔ اسپر انھوں نے کہا کہ خود آپہی نے تو ہمکو حکم دیا تھا کہ اُسے قتل کر دیں۔ جب اسکی تعمیل کی تو اب ہمکو الٹا قتل کیا جاتا ہے؟ لیکن مامون نے اس قانونی پیچ سے اُن کو چپ کرا دیا کہ "تمہارا جرم تو ثابت ہے کہ خود قتل کا اقرار کرتے ہو۔ رہا میرا حکم دینا، تو یہ محض تمہارا دعویٰ ہے، جس کے لئے کوئی دلیل نہیں!" بہرحال انکو قتل کر دیا اور انکے سروں کو حسن بن سہل کے پاس بھجوایا، اور فضل کے مرنے پر تعزیت کی اور اسکی جگہ اسکو مقرر کیا۔

درحقیقت (مامون الرشید) کی اصلی حکومت اسی دن سے شروع ہوئی ہے جبکہ امام علی رضا نے اسکو ملک کی حالت سے با خبر کیا، اور یہ ان کا حکومت مامونی پر ایک احسان عظیم ہے۔ کیونکہ اگر (ذوی الریاستین) تھوڑے دن اور زندہ رہتا، تو مامونی خلافت کا بالکل خاتمہ تھا۔

بہرحال (مامون) نے ملکی شورش کا پہلا علاج تو یہ کیا۔ اب اسکے بعد اس شورش کی علت اصلی، یعنی خلافت کا خاندان عباسی سے سادات میں منتقل ہونا،

اور امام علی رضا کی ولی عہدی کا مسئلہ درپیش تھا۔

حادثۂ شہادت امام رضا

مامون کو معلوم ہوگیا تھا کہ میں سادات کی دوستی کے ساتھ کسی طرح تختِ خلافت پر قائم نہیں رہ سکتا۔ عباسیوں نے ابراہیم کے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے اور اگر اسکو شکست دے بھی دی گئی جب بھی یہ فتنہ ایسا نہیں ہے جو پھر نہ ابھرے (ذوی الریاستین) کی قوت پر اسکو بڑا بھروسا تھا، لیکن مجبوراً خود ہی اُسے ہاتھ سے کھونا پڑا۔ لیس اسکے سوا اب چارہ نہ تھا کہ عباسیوں کی خواہش کے آگے سر جھکا دیا جائے اور جس علت نے شورش پیدا کی ہے، اُس کو دور کر کے تلافی مافات کی جائے۔

سفر کرتے ہوئے سنہ ۲۰۳ھ میں (مامون) طوس پہنچا، اور چند دنوں کے لیے ٹھہر گیا کہ (ہارون الرشید) کی قبر یہیں تھی۔ حضرت امام علی رضا بھی اسکے ساتھ تھے۔ دفعتہً بیمار ہوئے اور دفعتہً انتقال کر گئے۔ موت کی علت مسموم انگوروں کا کھانا ایک مسلّم واقعہ ہے۔

مامون نے ان کی وفات پر نہایت سخت ماتم کیا، یہاں تک کہ تین دن تک قبر کی مجاوری کی۔

جنازے کے ساتھ ننگے سر چلکر مشایعت کی اور حکم دیا کہ (ہارون الرشید) کی قبر کھود کر اسی میں آپ کو دفن کیا جائے، تاکہ انکی برکت سے رشید کی مغفرت ہو۔ خاندانِ اہل بیت کے مشہور مداح (دعبل) نے اسی واقعہ کی نسبت ہجو لکھی تھی:-

ما ینفع الرجس من قرب الذکی ولا   علی الذکی بقرب الرجس من ضرر

واقعات کا یہی حصّہ ہے، جہاں پہونچکر مامون کا دامن مشتبہ ہوجاتا ہے اور قرین قیاس و عقل معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جو سیاست (ذوی الریاستین) کے ساتھ برتی تھی، وہی امام علی رضا کے ساتھ برتنے پہ مجبور ہوگیا ہو۔

یہ تو یقینی ہے کہ عباسی شورش کے بعد (مامون) کے اُس طرز عمل میں پورا تغیر ہوگیا تھا جو اس سے پہلے سادات و علویین کے ساتھ تھا۔ شعار علویین (لباس سبز) کے اختیار کرنے میں اسکا اہتمام بلیغ اوپر گذر چکا ہے۔ جب ۲۰۴ھ میں خراسان سے بغداد پہنچا تو خود اس کا اور اسکے ساتھیوں کا لباس سبز تھا، جو لوگ دربار میں آتے تھے وہ بھی سبز لباس ہی پہنے ہوتے تھے۔

آٹھ دن تک یہ حالت قائم رہی، لیکن جب اُس نے دیکھا کہ عباسی اس بارے میں اعتراض کر رہے ہیں، تو معاً حکم دیدیا کہ لباس یکسر بدلدیا جائے اور وہی پرانا عباسی شعار، یعنی سیاہ رنگ کے کپڑے سب پہن لیں۔

واقعہ کا دوسرا پہلو

یہاں تک ہم نے جو کچھ لکھا، وہ (مامون) کی شرکت قتل کے قرائن اور قیاسات تھے، جن کو سادہ و قدرتی ترتیب کے ساتھ ہم نے پیش کردیا

لیکن اسکے ساتھ ہی ایک دوسرا پہلو بھی تاریخی دقعت، اور قرائن عقلی کی تقویت، دونوں چیزیں رکھتا ہے، اور انصاف کے خلاف ہے کہ اسکی طرف سے آنکھیں بند کرلی جائیں۔

(مامون) مصلحت وقت کی وجہ سے مجبور ہوگیا تھا۔ امام علی رضا کا دشمن نہ تھا۔ لیکن تمام عباسی تو ولی عہدی کے بعد سے قطعی ان کے جانی دشمن ہوگئے تھے۔ پھر کیا عجب ہے کہ انکے اور مامون کے مخالفین نے خود کوئی سازش

کی ہو، اور انگور میں زہر ملا کر دیدیا ہو؟

جو مورخین (مامون) کی شرکت قتل کے مخالف ہیں، وہ اسی پہ زور دیتے ہیں کہ مخالفین مامون وحضرت رضا نے ایک سازش کر کے یہ معاملہ انجام دیا۔

مخالفین الزام قتل

ان کے دلائل کی وقعت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سب سے زیادہ قدیم رائے اس بارے میں مورخ یعقوبی مشہور بہ (ابن واضح کاتب عباسی) کی ہے، وہ تیسری صدی کا مشہور مورخ ہے، اور عہدِ مامونی کے تمام واقعات خود اُس عہد کے لوگوں سے روایت کر کے بیان کرتا ہے۔ اسکا بیان ہے کہ یہ سازش (علی بن ہشام) نے کی تھی۔ مامون کو اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ (ابن اثیر) بھی اس واقعہ سے انکار کرتا ہے، اور بعد کو جتنی تاریخیں لکھی گئیں، سب میں شرکت مامون کے خیال کو (قیل) کے ساتھ لکھا ہے اور اسکی صحت پر زیادہ زور نہیں دیا ہے۔

(یعقوبی) کی شہادت کو اس لئے قوی سمجھا جاتا ہے کہ وہ بظاہر شیعیت کی طرف مائل نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر از ڈورڈ فانڈیک (جو ایک بے طرف اور مسیحی مصنف ہے) اکتفاء القنوع میں لکھتا ہے "کان یمیل فی غرضہ الی الشیعۃ، دون السنیۃ" قرب عہد اور تقدم زمانہ اس پہ مستزاد، البتہ متاخرین میں (فخر الدین ابن الطقطقی) نے زیادہ پھیلا کر اور ایک حد تک قوی لب ولہجہ میں اس الزام کو لکھا ہے۔ لیکن اس کی بنسبت مخالفین الزام کہہ سکتے ہیں کہ وہ عباسیہ کا سخت مخالف تھا۔ حتیٰ کہ قتل معتصم اور فتنہ تاتار و بربادی بغداد کے واقعہ پر بھی چنداں متاسف نہیں۔

حاصل تحقیق و تفتیش

پس ایسی حالت میں سچ یہ ہے کہ کسی خاص پہلو کو ترجیح دینا مشکل ہے۔ واقعہ کی نوعیت اور اسکے گرد وپیش کے حالات اس طرح کے ہیں کہ (ماموں الرشید) کا پوزیشن مشتبہ ضرور ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ممکن ہے کہ عام مخالفین امام نے یا بقول (ابن واضح) علی بن ہشام نے ایسا کیا ہو۔

بہر حال کوئی قطعی رائے بحالت موجودہ نہیں دی جا سکتی۔ ہمارے نزدیک دونوں پہلو ممکن الوقوع ہیں۔

بحالتِ موجودہ ہم نہیں سمجھتے کہ باہم دگر الزام دہی میں کیوں وقت ضائع کریں؟ اگر (ماموں) سے فی الحقیقت یہ جرم سرزد ہوا تو اللہ کی عدالت کھلنے والی ہے اور وہاں آپ کی یا میری وکالت کی ضرورت نہیں۔ اگر نہیں ہوا تو بخشدو اور بھول جاؤ۔ ملاعنۂ روسیہ کے مظالم کی ٹیس پس واقعہ کے یاد کرنے پر موقوف نہیں۔ آج جو کچھ ہو رہا ہے، جب اُس سے ہمیں عبرت حاصل نہیں ہوتی، تو کل جو کچھ گذر چکا ہے، اُسکے دُہرانے سے کیا فائدہ؟

جس وجود مقدس کی ولی عہدی کی تبریک میں (ابو نواس) نے یہ اشعار کہے تھے، آج اُسکی قبر مبارک کا گنبد شکستہ ہو چکا ہے اور تمام اسلامی دُنیا خاموش ہے:

مطہرون نقیات جیوبھم	تجری الصلوٰۃ علیھم اینما ذکروا
من لم یکن علویا حین تنسبہ	فما لہ فی قدیم الدھر مفتخر
اللہ لما بری خلقا فاتقنہ	صفاکم واصطفاکم ایھا البشر
فانتم الملاء الاعلی وعندکم	علم الکتاب وما جاءت بہ السور

ارشاد الملوک

ہز آنر سر جیمس مسٹن بالقابہ نے حادثہ خونیں کانپور کے بعد ۲۶ اگست کو آگرہ میں جو خطبۂ ہمایونی دیا تھا، وہ اچھی طرح شائع ہو چکا ہے اور موافق و مخالف بحثیں بھی ہو چکی ہیں، تاہم ہمیں جو کچھ عرض کرنا تھا، وہ اب تک باقی ہے۔ انھوں نے فرمایا :-

"مگر سب سے زیادہ میں ان لوگوں کی سنجیدہ ذمہ داری سے متاثر ہوا جو خود تو دور اور محفوظ ہیں، مگر جنھوں نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے ایک جاہل جماعت کے جذبات کو مشتعل کر دیا اور جن پر خدا اور انسان کی نظروں میں یکساں بہت سا بے ضرورت خون بہانے اور مصیبت لانے کا گناہ عائد ہوتا ہے۔ میری یہ دعا ہے کہ آگرہ کو ایسی المناک مصیبت کا کبھی سامنا نہ کرنا پڑے"

سب سے پہلے تو ہم اپنے تئیں مبارکباد دیتے ہیں کہ ہز آنر کی زبان مبارک بھی "خدا" کے لفظ سے نا آشنا نہیں۔ ستم زدگان کانپور کا ذکر کرتے ہوئے خدا انھیں یاد آ ہی گیا۔ کاش ہز آنر فارسی کے ذوق آشنا ہوتے تو ہم مرحوم (غالب) کا یہ شعر سناتے :-

روان فدائے تو، نام کے بردۂ ناصح زہے لطافتِ ذوقیکہ در بیانِ تو نیست

ہز آنر نے لینے کو تو خدا کا نام لے دیا، لیکن کاش انھیں معلوم ہوتا کہ انکے مخاطب بھی نہیں بلکہ مسلمان ہیں، اور ان کے لیے یہ "لفظ" اتنا سہل و آسان

نہیں، جتنا خود ان کے لئے ہے۔ وہ ایک مصلوب جسد کے پوجنے والے نہیں ہیں، جو اپنے بے رحم خدا کو پکارتے پکارتے بالآخر دنیا سے چل دیا، اور اب اس کے خون کے سوا، جسکے کفارے میں اسکے تمام پجاریوں کے گناہ معاف ہو گئے ہیں، اور اُسکے اندر کچھ باقی نہیں رہا ہے، بلکہ وہ ایک حی و قیوم اور قاہر و منتقم خدا کے پرستار ہیں، جو ان کی دعاؤں کو سنتا، ان کی اعانت و نصرت فرماتا، حق و عدل کو کامیاب، اور ظلم و جبر کی پاداش کیلئے ایک عدالت رکھتا ہے۔ ان کو خدا تک پہنچانے کے لیئے، ان کے خدا نے یہودیوں کے ہاتھوں اپنا خون نہیں بہایا ہے، بلکہ جب یہودیوں کی طرح خود ان کا کسی دست ظلم سے خون بہایا جاتا ہے، تو پھر وہ اپنے خدا تک پہنچ جاتے ہیں۔ وہ ہز آنر کی طرح صرف مسیح ہی کو زندہ نہیں مانتے۔ بلکہ ہر اُس مظلوم و مقتول جور و ستم کو بھی، جسکا خون جرم بے جرمی میں بہایا گیا ہو۔

بہتر تھا کہ ہز آنر صرف انسانوں ہی کا ذکر کرتے، جنکی قسمت کی باگ ان کے ہاتھ میں دیدی گئی ہے، اور خدا کا نام نہ لیتے جو ان کی قسمت کا بھی مالک ہے۔ معلوم نہیں کہ ہز آنر بحیثیت بیسویں صدی کے ایک متمدن فرزند یورپ ہونے کے مذاہب و خدا پرستی کے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں؟ یورپ آج ایک طرف تو مادہ کے آگے سر جھکاتا ہے۔ دوسری طرف مسیح کی پرستش سے بھی انکاری نہیں۔ پہلی صورت میں تو یہ تذکرہ ان کے لیئے بالکل ہی غیر ضروری تھا۔ یورپ اب بہت آگے بڑھ گیا ہے اور خدا کا خوف زمانۂ وحشت کے توہمات تھے، جن سے بیسویں صدی کے عصر تمدن کے ایک تعلیم یافتہ دماغ کو کوئی ہراس نہونا چاہیئے۔

دوسری صورت میں بھی ایک مصلوب جسم کے پرستار کیلئے بہت مشکل



سے کہ وہ ان لوگوں کو خوف الٰہی کا وعظ سنا سکے، جو ایک زندہ خدا کی پرستش کرتے ہیں۔

ہم ہزآنر کی مطلق العنان حکومت و فرماں روائی پر اس دور قانون و دستور میں صبر کر سکتے ہیں، ان کو اپنے ایک واعظ اور ملا کی حیثیت بھی دے سکتے ہیں۔ اگر علیگڈھ کالیج میں اس کی ضرورت پیش آجائے۔ ان کو اپنا شیخ الاسلام اور مفتی و فقیہ بھی مان لینگے، جیسا کہ وہ کانپور کے متعلق فتویٰ دے رہے ہیں یہ سب کچھ مان لینے کے لئے طیار ہیں، مگر خدارا ''خوف الٰہی'' کے وعظ سے تو ہمیں معاف ہی رکھیں۔ ان کی زبان سے سب کچھ سُننا پڑتا ہے اور سنتے ہیں، مگر ''خدا'' کا نام سُنکر بے اختیار رہ جاتے ہیں۔ آہ! یہی تو وہ نام محبوب و مقدس ہے، جسکی شہادتِ توحید کی صدا سے کانپور کی مسجد کی ہر دیوار اور ہر اینٹ مقدس کی گئی تھی، اور اسی نام کی عزت تھی، جسکے لئے بالآخر فرزندانِ الٰہی کو اپنا خون دینا پڑا!

از ما بحلے، لیک مبادا ایں ہمہ بیداد   در حوصلۂ حلم خداوند نہ گنجد

ہزآنر سے کیا کہیں کہ وہ اس لذت سے آشنا ہی نہیں۔ ایک مسیحی قلب اس ''مذہبی جنون'' کی حقیقت کیا سمجھے گا، جو ہمارے جسم کے ایک ایک قطرۂ خون کے اندر بھرا ہوا ہے۔ انھوں نے خدا کا نام تو سیکھ رکھا ہے، لیکن ابھی اسکے کاموں سے بے خبر ہیں۔ اگر ''خدا'' کا تصور کوئی ڈرنے کی چیز ہوتی، تو ۳ اگست کا طرۂ خونیں حکمرانانِ عہد کے تاج غرور میں نہ ہوتا۔

اسکے بعد ہمکو اُس ''جماعت'' کے متعلق بھی غور کرنا ہے، جسکی ''سنجیدہ ذمہ داری'' نے ہزآنر کو اس درجہ متاثر کیا، اور جو انکی روایت کے مطابق اس حادثۂ فاجعہ کی اصلی محرک ہے۔

یہ لوگ عجیب غریب ہیں۔ ان کی طاقتیں حیرت انگیز اور ان کے کام پُر اسرار ہیں۔ وہ اگرچہ کانپور سے باہر ہیں، لیکن ایسی مخفی طاقتیں رکھتے ہیں کہ ایک اشارے کے ساتھ ہی سارے شہر کو جان دینے پر آمادہ کر دیتے ہیں۔ ان کی حکومت کروڑوں انسانوں کے دلوں پر قائم ہے۔ مسجد کے "وضو خانے" کی نسبت کانپور کے مسلمانوں کو کوئی اعتراض نہ تھا، لیکن اس پُراسرار جماعت نے دو ہفتے کے اندر ہندوستان کی تمام اسلامی آبادی کو معترض بنا دیا، اور جس چیز کو کل تک لوگ سر جیمس مسٹن کی نظر سے دیکھتے تھے، اب اسلام کے خدا کی نظر سے دیکھنے لگے!

ہم نہایت ممنون ہیں ہز آنر کے کہ انھوں نے سب سے پہلے ہمارے سامنے کسی ایسی سحر کار اور حکمران قلوب، و اسرار جماعت کی مخبری کی، جو کروڑوں مسلمانوں کے دلوں پر حکومت رکھتی ہے، اور اسلامی آبادیاں اس کے اشارے پر جان دینے تک پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ فی الحقیقت اگر کوئی ایسی جماعت موجود ہے، تو جہاں تک جلد ممکن ہو، ہمیں اسکی جستجو میں نکلنا چاہئے۔ جن لوگوں کو خدا نے ایسی عجیب طاقتیں دی ہوں، انکے دیکھنے کا کون مشتاق نہ ہوگا؟ سر جیمس مسٹن نے جہاں ضمناً مخبری کا فرض انجام دیا ہے، وہاں اگر از راہ رعایا پروری ہمیں اُن تک پہنچا بھی دیں، تو یہ احسان عظیم ہوگا

ڈھونڈھ لاتے تمھیں اُس بُت کو خدارا اے شیخ
تم خدا ترس تھے، اک کام ہمارا کرتے

مسلمان ہمیشہ سے رو رہے ہیں کہ اُن میں باہم اتفاق نہیں، کوئی متفق علیہ لیڈر نہیں، کسی قسم کا آرگنائزیشن نہیں۔ ان کی حالت ایک بے سری فوج کی سی ہو رہی ہے، جسکا مسٹر ٹالو جیسا کوئی سپہ سالار نہ ہو۔

لیکن سر جیمس مسٹن بہادر کی روایت اگر بغیر جرح کے تسلیم کرلی جائے (اور ظاہر ہے کہ تسلیم کرنی ہی پڑے گی۔ یہ کچھ "مذہبی جنون" کے دیوانے یعنی مسلمانوں کی گردن تو ہے نہیں جو مجروح ہونے کے لئے ہو) تو اس صورت میں ہمیں اپنی سالہا سال کی مایوسیوں میں یک قلم تبدیلی کردینی پڑے گی۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک جماعت کسی "محفوظ" مقام پر (جو ہز آنر کے دماغ مبارک کے محفوظ حجرۂ تخیل کے علاوہ یقیناً کوئی دوسری جگہ ہے) موجود ہے۔ جسکو یہ قوت حاصل ہے کہ کانپور میں جوش نہ تھا، اُس نے جوش پیدا کردیا۔ یہاں کے لوگ ساکت وصامت تھے۔ انھوں انکو زبان دراز و نغاں سنج بنادیا۔ وہ اپنی مسجد کے مطاوبہ حصے کو مسجد نہیں سمجھتے تھے، مگر ان کے حکم سے مسجد یقین کرکے جان دینے پر آمادہ ہوگئے پھر اتنا ہی نہیں، بلکہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کے دل اس طرح ان کی مٹھی میں ہیں کہ یہ ایک اشارہ ساحرانہ و طلسمانہ، سب کے سب انہی کی سی کہنے لگے، اور مسجد! مسجد! کا ہر طرف شور مچ گیا۔

سُبحان اللہ! اگر تمام مسلمانوں پر یہی طاقت رکھنے والے موجود ہیں تو ہمیں اپنی پراگندگی اور نا اتفاقی پر افسوس کرنے کی جگہ، یقیناً ہز آنر کی رہنمائی میں ان کی تلاش کرنی چاہیئے۔ ہز آنر بوجہ اپنی رعایا نواز و رحیم و شفیق طبیعت کے اس جماعت سے خوش نہیں، کہ اسکے احکام کی بدولت سپہ سالار پولیس کو بحکم فرماں روائے کانپور، پانچ سو چھبیس کارتوس صرف کرنے پڑے۔ اور اس طرح علاوہ چند جانوں کے نقصان کے، گورنمنٹ ہند کے فوجی ذخیرہ کا بھی نقصان ہوا، لیکن تاہم اگر اس جماعت کا ہمیں پتہ لگ جائے، تو ہم کسی نہ کسی طرح ہز آنر سے اُس کی صفائی کرا دینگے۔ ہم ان سے عرض کرینگے کہ نفع کثیر کے مقابلہ میں نقصان قلیل کو نظر انداز کر جائیے۔ ایک ایسی طاقتور اور حاکم کل جماعت کے

پیدا ہونے سے آپ کی سات کروڑ رعایا اپنی تلاش قدیم میں کامیاب ہوتی ہے اس کا بکھرا ہوا شیرازہ جمع ہو جاتا ہے، اسکے تمام قومی اور دینی امراض کا علاج عملی ہاتھ آجاتا ہے۔ صاحب نفوذ و اثر پیشواؤں کے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ نیں اس طرح کروڑوں انسانوں کو موت کے بعد زندگی نصیب ہوتی ہے۔ جو رفاہ عامہ کے کاموں کے لیئے جب مسجد کا ایک حصہ لیا جا سکتا ہے کیونکہ عامۂ خلائق کے نفع کثیر کے مقابلے میں ایک مخصوص جماعت کے نقصان قلیل کی پروا نہیں کی جا سکتی، تو پھر ہمیشہ کے لیئے ایک قوم کی زندگی کے مقابلہ میں مسجد کانپور کے صرف ایک ہی واقعہ کی پروا نہیں کرنی چاہیئے۔

بہرحال کسی نہ کسی طرح سر جیمس مسٹن میں اور اُن میں صفائی ہو ہی جائے گی لیکن ہم ان کے اشتیاق میں بے چین اور ان کے دیدار کے لیئے مضطرب ہیں کاش کسی طرح ان کا کچھ نشان و سراغ مل جائے۔ مشکل یہ ہے کہ اس آسمان کے نیچے سر جیمس مسٹن کے سوا اور کسی ذی روح کو انکی نسبت معلومات نہیں، اور جب تک وہ رہنمائی کیلئے آمادہ نہوں، کچھ نہیں ہو سکتا۔

لکھنؤ میں مسجد کانپور کے لئے لاحاصل ڈیپوٹیشن نے اپنا وقت ضائع کیا۔ اس کی جگہ اگر جماعت کی سراغ رسانی کے لیئے التماس پیش کی جاتی، تو عجب نہیں کہ ہم اپنی ایک قدیمی جستجو کی کامیابی کو اپنے سے قریب پاتے۔

ہز آنر کو اس خون کی بڑی فکر ہے کہ کس کا دامن اس سے تر کیا جائے؟ کبھی ان کو مسلمانوں کا مذہبی جنون یاد آتا ہے۔ کبھی کانپور سے باہر کچھ پراسرار لوگ نظر آجاتے ہیں، جن کو ایسی عظیم الشان قوتیں حاصل ہیں کہ باوجود کانپور کی جیسی اور رضا و سکوت کے، اپنے ایک اشارے پر لوگوں کو میدان جنگ میں لاکھڑا کرتے ہیں!

لیکن اگر انھیں صرف اس خون کے بوجھ ہی کیلئے کسی دوسرے کا کندھے کی تلاش ہے تو اسکے لئے اس زحمت فرمائی کی ضرورت نہیں۔ نہ تو وہ مسلمانوں کے مذہبی جنون کی جستجو میں نکلیں اور نہ کسی "باہر کی"، ایسی عجیب انقلابی طاقت والی جماعت سے خوف زدہ ہوں۔ مسلمانوں کا خون اتنا قیمتی نہیں ہے کہ اسکے لئے اتنی پریشانی اُٹھائی جائے۔ وہ صاف صاف کیوں نہ کہدیں کہ اسکی ساری ذمہ داری خود مسلمانوں کے موجودہ عہدِ خونیں پر ہے؟ طرابلس میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بہا کیا ہوا؟ مقدونیا میں ہزاروں لاشیں تڑپ رہی ہیں، پھر کونسی قیامت آگئی؟ جب خود زمانہ ان کا خون بہانے پر تُلا ہوا ہے تو ہندوستان نے کیا قصور کیا تھا کہ اسکی زمین چند قطروں سے بھی محروم رہتی؟ اسمیں نہ سر جیمس مسٹن کا قصور ہے، اور نہ اسکے الزام سے انھیں گھبرانے کی ضرورت:۔

چہ لازم ست کہ بدنام قتل ما باشی ستارہ و فلک و بخت و روزگارے ست

ہز آنر فرماتے ہیں:۔

"سب سے زیادہ میں اُن لوگوں کی سنجیدہ ذمہ داریوں سے متاثر ہوا جو خود تو دور اور محفوظ ہیں مگر جنھوں نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے ایک جاہل جماعت کے جذبات کو مشتعل کر دیا، جن پر خدا اور انسان کی نظروں میں یقیناً بہت سی بے ضرورت خون بہانے اور مصیبت لانے کا گناہ عائد ہوتا ہے۔ میری دعا ہے کہ آگرہ کو ایسی المناک مصیبت کا کبھی سامنا کرنا نہ پڑے"۔

لیکن یہی مضمون ایک دوسرے سیاح کانپور کی زبانی ان لفظوں میں بھی بیان کیا جا سکتا ہے، اور ایک ہز آنر کے مقابلے میں سات کروڑ آنکھوں کا مشاہدہ یہی ہوگا:۔

"ان ساری جاں فرسا مصیبتوں، ان انسانیت سوز بے رحمیوں، اس

سفک دماء اور قتل اطفال، اس نہب و سلب اور قہر و جبر، بندوقوں کے طوفان اور سنگینوں کی سفاکی، صد ہا اشک ہائے حسرت اور نالہ ہائے جانکاہ، غرضکہ ۳ اگست کے تمام الشانی مصائب و ہلاکت کی ذمہ داری، عنداللہ اور عندالناس، صرف انلوگوں پر عائد ہوتی ہے، جنھوں نے حکومت کے بلند اور محفوظ تخت پر بیٹھکر مظلوموں کی داد فریاد سے بے رحمانہ اغماض کیا - ان کے جوش کو بے اصل، ان کے احتجاج کو مصنوعی، اور انکے قانونی مطالبہ کو بے معنی تبلایا - تاج برطانیہ کی عزت، اور حکومت کی مذہبی آزادی کی روایات بھول گئے، اور انھوں نے باوجود فرض، انصاف، فرصت اور حق کے، وہ نہیں کیا، جس کو کرکے ان تمام خونیں مصائب کو یک قلم روک دے سکتے تھے، اور بالآخر ان کا حاکمانہ گھمنڈ اور بے نیازانہ اغماض، جو پہلے اخباروں کے صفحوں پر حرفوں کی سیاہ پوشی، اور صحن ہائے مجالس میں آہ و فغاں کے دھوئیں کی صورت میں موجود تھا، مظلوموں کے خون کا سیلاب بنکر مسجد کانپور کی منہدم دیوار پر سے گذر گیا!!

گیرم کہ وقت ذبح طپیدن گناہِ من!
دیدن ہلاک و رحم نہ کردن گناہ کیست؟

ہم سب کی دلی دعا یہ ہے کہ خدا ہندوستان کے اور صوبوں کو ایسے حکام کی مصیبت سے محفوظ رکھے۔



ابتدائے عشق

الہلال پریس کی ضمانت

تعزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے اور ذوق گنہ یاں سزا کے بعد

اطراف ملک سے بکثرت خطوط اور تار آرہے ہیں، جن میں دریافت کیا جارہا ہے کہ کیا ضمانت کی خبر صحیح ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ بعض امور کی اطلاع مجھے تقریباً دس ماہ سے تھی، مگر آج تک الہلال میں ان کی نسبت ایک حرف نہیں لکھا۔ اسلئے کہ اپنا اصول کار ابتدا سے یہ رہا ہے کہ انسان صرف کام کے لئے بنایا گیا ہے، پس اسکو چاہئے کہ صرف اپنے کام ہی میں مصروف رہے۔ یہ بہت ہی ادنی درجہ کی اور چھوٹی باتیں ہیں کہ لوگوں کا اس کام کے متعلق کیا خیال ہے، اور حکام وقت اسے کیسا سمجھتے ہیں؟

میری حالت الحمدللہ کہ عام حالت سے مختلف ہے، میں اپنے تمام کاموں کو ایک خالص دینی دعوت کی حیثیت سے انجام دیتا ہوں، اور میرے پاس احکام دینی کے قوانین کی ایک کتاب موجود ہے۔ پس میری نظر ہمیشہ اسپر رہتی ہے کہ خدا کے ساتھ میرا رشتہ کیسا ہے؟ اسکی فکر نہیں ہوتی کہ اسکے بندوں کی نظریں کیا کہتی ہیں؟ اگر اللہ کی صداقت میرے ساتھ ہے، تو میری طاقت لازوال اور میری حفاظت قدرتی ہے۔ لوگ دیکھتے ہیں کہ آگ جلاتی اور پانی ڈوباتا ہے،

اور اسکو قوانین قدرت کے نام سے یاد کرتے ہیں، لیکن اس سے زیادہ محکم اعتقاد، اور اس سے بڑھ کر غیر متزلزل یقین کے ساتھ میں بھی دیکھتا ہوں کہ حق وصداقت اور اللہ کا پیغام دعوت، ہر حال میں فتحیاب و منصور ہوتا ہے، اور باطل وضلالت کے ساتھ دنیوی طاقتوں کا خواہ کتنا ہی سازوسامان ہو، اور عارضی ووقتی کامیابیاں خواہ کتنا ہی اُسے مغرور کردیں لیکن بالآخر وہ خاسر ونامراد ہی ہوتی ہے:۔ وتلك الدار الآخرة نجعلها للذین لا یریدون فی الارض علواً ولا فسادًا والعاقبة للمتقین

پس ہماری حفاظت اور کامیابی خود ہمارے اور ہمارے کاموں کے اندر ہے۔ اپنے سے باہر ڈھونڈھنا لاحاصل ہے وفی انفسکم افلا تبصرون؟

الہلال کی اشاعت کو تقریباً ڈیڑھ برس کا زمانہ ہوگیا، مگر وہ پوری آزادی کے ساتھ اپنے دینی فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھا۔ اگر پریس ایکٹ کا عمل اسکے ادعائی مقصد سے مختلف نہوتا، تو موجودہ عہدِ مطبوعات کی اس سبب سے فرصت کا ملنا کچھ بھی تعجب انگیز نہ تھا، بلکہ یقین کرنا چاہئے کہ قدرتی اور لازمی تھا لیکن بدقسمتی سے جو حالت آج برسوں سے ہو رہی ہے، اسکا نتیجہ مشئوم تو یہ ہے کہ نہ صرف ہر حق گو کو، بلکہ ہر حق گوئی کے ارادہ کرنے والے کو اپنے تئیں سب سے بڑا مجرم سمجھنا چاہئے۔ بلکہ:۔

وجودك ذنب، لا یقاس بہ ذنب!

جب حالت یہ ہو تو پھر ڈیڑھ برس سے زیادہ زمانے کا بغیر کسی واقعہ کے گذرجانا کیوں نہ ایک محیر العقول واقعہ سمجھا جائے؟

فی الحقیقت یہ ایک ایسا تعجب انگیز واقعہ تھا، جسے سوچتے سوچتے بدرت لوگ گھبرا اُٹھے تھے۔ البتہ خود مجھے ذرا بھی تعجب نہ تھا۔ کیونکہ لاخوف علیہم

ولاھم یحزنون" کی تفسیر میرے سامنے تھی، اور دنیا کے قوانین سے بھی بالاتر ایک قانون تھا جسنے میرے دل پر نقش کر دیا تھا کہ:- واللہ ولی المتقین۔

بہر حال ۱۰ ستمبر کو دو ہزار روپیہ کی ضمانت طلب کی گئی، جس میں ۲۰ تک داخل کرنے کی قید تھی۔ مگر آج ہی کہ ۲۳ ویں تاریخ ہے) دو ہزار روپیہ کے گورنمنٹ ضمانتی کاغذ عدالت میں بھیجدیے گئے ہیں۔ ضمانت کا روپیہ تو اسی تاریخ سے بطور ایک سرکاری امانت کے علیحدہ رکھدیا گیا تھا، جس دن الہلال پریس کا ابتدائی سامان خریدنے کے لئے ہم نے روپیہ نکالا تھا، سچ یہ ہے کہ اس امانت کی حفاظت کرتے کرتے ہم اُکتا گئے تھے، اور اب تو وہ وقت آگیا تھا کہ اگر کوئی مانگنے کے لئے نہ آتا تو ہم خود ہی پیشکش کرنے کے لئے آگے بڑھتے۔ بارہا ہمیں خیال ہوا کہ کیا یہ ذوق عتاب صرف اوروں ہی کے حصے میں آیا ہے؟ اور ہم اصلی مستحقین نظر کے لئے کچھ بھی نہیں؟

نہ کنی چارہ لب خشک مسلمانے را؟
اے بہ تر ساںبچگاں کردہ مئے ناب سبیل

ہمارے ایک دوست تو اس تغافل پیشگی سے عاجز آکر پریس ایکٹ کی طاقتوں ہی کے منکر ہو گئے تھے۔

لے بھی جائیں دل کہیں ہم ہے کہ قصہ پاک ہو
یہ حسینانِ جہاں بھی دلربا کہنے کو ہیں!!

بڑی فکر یہ تھی کہ جب محرومیٔ قسمت سے ضمانت کی پہلی منزل ہی طے نہیں ہوئی ہے تو آیندہ کی فکر کے لئے ہمیں وقت کیسے ملیگا؟ بالآخر غنیمت ہے کہ خدا خدا کر کے خاموشی ٹوٹی، اور پہلی منزل سے بہر حال گذر ہی گئے۔

رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

آخر میں ہم یہ لکھدینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس بارے میں ہمیں گورنمنٹ آف بنگال سے کوئی شکایت نہیں۔ ہم کو معلوم ہے کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ اور کل تک کیا تھا، اور آج کیا ہو رہا ہے؟

سرّ ایں فتنہ زجائیست کہ من میدانم!

ڈیڑھ سال سے زیادہ عرصے تک جو کچھ ہوا، وہ گورنمنٹ کی مصلحت شناسی عواقب اندیشی، اور ہمارے خاص حالات و نتائج پر نظر رکھنے کا نتیجہ تھا، اور جو کچھ ہوا ہے، یہ دوسروں کی نادانی کا نتیجہ ہے۔

ہم نے اتنی سطریں بھی بمجبوری لکھیں، کہ بیشمار خطوط اور تاروں کا فرداً فرداً جواب دینا ممکن نہ تھا۔ ورنہ ہم اس طرح کے واقعات کو اس درجہ اہم نہیں سمجھتے کہ ان کے پیچھے زیادہ وقت صرف کیا جائے۔ یہ اس طرح کی معمولی باتیں ہیں جو آج کل کے پریسوں کے دفتروں میں ہمیشہ پیش آتی رہتی ہیں۔ اگر بعض حکام اعلیٰ کو کسی اخبار کے دفتر سے کچھ روپیہ لے کر رکھنے میں مصلحت نظر آتی ہے، تو یہ ایک ایسی فائدہ رسانی ہے جو دوسرے کے لئے مفید مگر اپنے لئے مضر نہیں۔ پھر اس میں کیوں عذر ہو، اور کیوں حرفِ شکایت زبان پر آئے؟ ہمارے سامنے تاریخ نے جو مواد رکھدیا ہے، وہ ہمارے لئے کافی ہے۔ ایسی باتیں ہمیشہ ہوتی ہیں اور ہوتی رہینگی۔ اور نتیجہ بھی ہمیشہ یکساں نکلا ہے اور نکلیگا۔ جو لوگ اس راہ میں قدم رکھتے ہیں، جب ان کے سامنے آخری منزلیں موجود ہیں، تو ان ابتدائی منزلوں کے پیش آنے پر کیوں شاکی ہوں؟

ترکِ جان و ترکِ مال و ترکِ سر
در طریقِ عشق اوّل منزل ست

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ۔ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ

همّوا بما لم ینالوا

(۹-۵-۷)

ہمیں دو ہفتے پیشتر سے بعض امور کی اطلاع تھی، اور متعدد موثق ذرائع سے شملہ اور رامپور سے ان کی نسبت مفصل تحریریں دفتر میں پہنچ چکی تھیں۔ مگر ہم ہمیشہ واقعات کے ظہور کا انتظار کرتے ہیں اور ارادوں اور نیتوں کے معاملات کو عفو و درگذر کا مستحق سمجھتے ہیں۔

مؤمن کو چاہیئے کہ اپنے اندر اخلاق الٰہی پیدا کرے "تخلقوا باخلاق اللہ" اللہ کے اخلاق کا یہ حال ہے کہ اس نے ہمارے ارادوں اور نیتوں کی لغزشوں کو معاف کر دیا ہے، اور جزا و سزا کا احتساب صرف اعمال جوارح و جسم پر مرتب ہوتا ہے۔

سورۂ بقر میں یہ آیت جب نازل ہوئی:۔

وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ (۲-۲۸۴) — تمہارے دلوں کے اندر جو باتیں ہیں خواہ تم انکو ظاہر کرو یا چھپاؤ، لیکن اللہ کے علم سے تو مخفی نہیں، وہ ان سب کا تم سے حساب لیگا۔

تو صحابۂ کرامؓ بہت غمگین ہوئے کہ خطرات قلب اور حدیث نفس کا احتساب مشکل ہے۔ نہیں معلوم کس وقت کیسا خیال گذرے اور قیامت کے دن اسکا جواب دینا پڑے؟ اس پر اسی رکوع کی یہ مشہور آیۂ کریمہ نازل ہوئی:۔

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا (۲-۲۸۶) — اللہ تعالیٰ کسی انسان پر تکلیف شرعی

قائم نہیں کرتا مگر وہاں تک کہ اس کے بس اور قدرت میں ہے۔

اعمال کی طرح خیالات کی نیکی بغیر توفیق الٰہی کے ممکن نہیں اور اسمیں انسان مجبور ہے۔

البتہ منافقین اس سے مستثنیٰ ہیں کہ ان کا کفران کے دل ہی میں ہوتا ہے گو ظاہر میں ایمان کے مدعی ہوتے ہیں۔

پس ہم بھی ہمیشہ اعمال و واقعات پر نظر رکھنا چاہتے ہیں اور اُسوقت تک کچھ پروا نہیں کرتے، جب تک کہ ارادے عملی ظہور تک نہیں پہونچ لیتے۔

اگر ایسا نہو تو پھر نقد و اختیار کا پیمانہ نہایت تنگ ہو جائے۔ ہمکو تو ایسے لوگوں کی خبر ہے جو شب کو بستروں پر لیٹتے ہیں تو اُن ارادوں اور خیالوں میں ہوتے ہیں، جن میں اگر ایک ارادے کو بھی تکمیل و ظہور کی خدا مہلت دیدے تو تمام مسلمانوں کے گھر شیطان کی بستیاں بن جائیں اور ایک مسلم بھی دنیا میں نہ ملے جو کفر کی لعنت سے آزاد ہو۔

لیکن یہ اللہ کا لطف و فضل ہے کہ وہ ان منافقین و دجالین اور مفسدین خاسرین کے ارادوں کو ہمیشہ ناکام رکھتا ہے اور انھیں کبھی مہلت نہیں ملتی کہ اپنی نیات فاسدہ و اقدامات مفسدہ کو عمل و ظہور تک پہنچا سکیں!

ولولا فضل اللہ علیک و رحمتہ	اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی رحمت تمھارے
لہمت طائفۃ منھم ان یضلوک	شامل حال نہوتی تو ان لوگوں میں ایک گروہ
وما یضلون الا انفسھم وما	تو تم کو راہ حق سے بہکا دینے کا ارادہ کر ہی چکا تھا
یضرونک من شیئ[1] (۴ - ع ۱۷)	حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ یہ لوگ تمھیں تو کیا گمراہ

[1] اس آیہ کریمہ میں در اصل آنحضرت (روحی فداہ) سے خاص تخاطب ہے۔ لیکن حالت تمام مومنوں کے لئے عام۔ اسی لئے اسوقت یاد آگئی تو حوالۂ قلم ہوئی (منہ)

کرینگے؟ خود اپنے ہی کو گمراہی میں ڈال رہے ہیں یقین رکھو کہ وہ تم کو کچھ نقصان پہنچا نہ سکینگے۔

پھر اگر ہم لوگوں کے ارادوں اور خیالوں کا بھی مراقبہ کریں تو احمال تک پہونچنے کی کبھی مہلت ہی نہیں ملے۔

ہم بالفعل چند کلمات اس جلسے کی نسبت کہنا چاہتے ہیں جو ہز ہائنس نواب صاحب رامپور کی زیر صدارت ۲۰ر اکتوبر کو حسب افواہ یک ہفتہ دہلی میں منعقد ہوا تھا۔ لیکن مندرجۂ صدر تنیاثات کی بنا پر ہم ان تمام اخبار و معلومات سے بالکل چشم پوشی کرینگے، جن کی اس جلسے کے انعقاد سے پیشتر ہمیں خبر مل چکی ہے۔ نہ تو اس مخفی اور طلسمانہ طریق عمل پر بحث کرینگے، جو اس جلسے کے انعقاد کے لئے اختیار کیا گیا تھا۔ نہ اس پر اسرار طریق دعوت شرکت پر نظر ڈالینگے، جسکے ذریعہ ایک خاص طبقے کے لوگوں کو کوشش کرکے جمع کیا گیا۔ نہ (حاجی نادر علی وکیل) نامی کسی شخص کو تلاش کرینگے جو مفید اغراض شرکا عمل کی تلاش میں بھیجا گیا تھا، اور نہ جلسہ کی اصلی غرض و غایت، اسکی تحریک کے اسباب، قافلۂ رفتہ کی وصیت اور کاروان موجودہ کے پیام، اور ان سب کے شان نزول کو روشنی میں لائینگے، جسکے اندر مسلمانوں کے موجودہ عہد بیداری و حرکت کے لئے بہت سی یادگار بصیرتیں مضمر ہیں، اور جو النسانی عصیان و تمرد کے نتائج کا نہایت ہی دلچسپ افسانہ ہے۔

ان امور پر اگر نظر ڈالنی ہے تو اسکا بہتر وقت دوسرا ہے۔ اور شاید دور نہیں سردست ہم صرف اُسی چیز کو دیکھینگے، جو ۲ر اکتوبر کو ہمیں دکھائی گئی، اور بالآخر بانیان مجلس جس صورت میں اپنے تئیں پیش کرنے پر مجبور ہوگئے اور اُنھوں نے پیش کیا، اُسی کو بکمال تجاہل و تغافل عارفانہ، تسلیم کر لینگے۔

یہ کہکے رخنے ڈالیئے ان کی نقاب میں
اچھے بُرے کا حال کھلے کیا حجاب میں

جن لوگوں کو تاریکی پسند ہے اور اپنے کاموں کو چوری چھپے کرنے پر مجبور ہیں، بہتر ہے کہ انھیں روشنی میں لاکر پریشان نہ کیا جائے، جنکے چہرے پر داغ ہوتے ہیں، اُنہی کو برقعہ ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چور رات کی پچھلی پہر میں دیواروں کی آڑ سے اپنے تئیں چھپاتے ہوئے نکلتے ہیں، مگر شریف آدمی ہمیشہ دوپہر کی روشنی میں سڑکوں پر دیکھے گئے ہیں۔ چھپنے والوں کے لئے یہی عذابِ الیم کیا کم ہے کہ وہ خود بھی اپنے کاموں کو علانیہ کرنے کے قابل نہیں پاتے؟ انسانی ضمیر کے اسی عذاب کی طرف جا بجا قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے

تری الظالمین مشفقین مما کسبوا وھو واقع بھم (۴۲-۲۱)

البتہ انسان کی اس غلطی پر، جو شاید اسکی فطرۃ میں داخل ہے، ہمیشہ ماتم کیا گیا ہے اور کیا جائیگا کہ وہ اپنے رازوں کو اُن سے چھپاتا ہے، جنکے ہاتھ میں اُس کی جزا و سزا نہیں، پر اُس کی بالکل پروا نہیں کرتا جو اسکے جزا و سزا پر تنہا قادر ہے اور اسکے تمام چھپے ہوئے کاموں پر سے عاقبت کا پردہ اٹھا دینے والا ہے؟ یہ نادان لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، حالانکہ انکے نفس خادع نے خود ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے:-

ولا تجادل عن الذین یختانون انفسھم ان اللہ لا یحب من کان خوانا اثیما (۴-۱۰۷)	جو لوگ دوسروں کو دھوکا دیکر حقیقت میں خود اپنے تئیں دھوکا دے رہے ہیں، ایسوں کی طرف ہوکر رد و کد نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ دھوکا دینے والوں اور معصیت شعار انسانوں کو پسند نہیں کرتا۔

افسوس تم قرآن پڑھتے نہیں، جو لوگ رازداریوں کے ساتھ پوشیدہ پوشیدہ اپنے کاموں کو انجام دینا چاہتے ہیں اور اپنے ارادوں اور مشوروں کو تاریکی میں رکھتے ہیں، خدا نے ان کی نسبت کیسے صاف اور منطق لفظوں

ہیں روائے دی ہے؟ کاش دماغ سوچیں اور دل عبرت پکڑیں!!

یستخفون من الناس ولا یستخفون من اللہ وھو معھم اذ یبیتون ما لا یرضی من القول وکان اللہ بما یعملون محیطا (۴-۱۰۸)

یہ لوگ کیسے احمق ہیں! انسانوں سے تو پردہ کرتے ہیں مگر خدا سے پردہ نہیں کرتے! حالانکہ جب وہ راتوں کو (مثلاً رات کے گیارہ بجے بریلی کے اسٹیشن پر) اُن باتوں کے لئے مشورہ کرتے ہیں جو اللہ کی خوشنودی کے خلاف ہیں تو خدا اُن کے ساتھ موجود ہوتا ہے جو کچھ یہ کرتے ہیں، سب اس کے احاطۂ علم میں داخل ہے۔

الذین یتخذون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین ایبتغون عندھم العزۃ فان العزۃ للہ جمیعا وقد نزل علیکم فی الکتاب ان اذا سمعتم آیات اللہ یکفر بھا ویستھزأ بھا فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ (۴-ع ۲۰)

یہ لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں کیا اسلئے کہ انکے دربار میں اپنی عزت بڑھانی چاہتے ہیں؟ اگر یہی بات ہے تو جان رکھیں کہ ہر طرح عزتیں تو اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ اسکو چھوڑ کر یہ کیوں غیروں کی چوکھٹوں پر جھکتے ہیں؟ حالانکہ مسلمانوں پر اللہ قرآن کریم میں یہ حکم نازل کر چکا ہے کہ غیروں سے ویسے ملنے جلنے میں تو کوئی ہرج نہیں البتہ جب تم اپنے کانوں سے سن لو کہ آیات اللہ سے انکار کیا جا رہا ہے، شعائر الٰہیہ کی توہین ہو رہی ہے، احکام دینیہ کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے، تو پھر ایسے لوگوں کے ساتھ اُس وقت تک نہ بیٹھو، جب تک کہ وہ کسی دوسری بات کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں۔

ہم نے کسی دوسری جگہ اس جلسہ کے مختصر حالات لکھدیے ہیں، نیتوں کا خدا علیم ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اگر ان بزرگوں کا مقصود اصلاح حالت اور دفع فساد ہے تو اللہ انھیں جزائے خیر دے۔ اور ان کی سعی کو قبول کرے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے، تو پھر اُن دلوں پر حسرت، جنکے لئے گذشتہ عبرت بخش نہیں، اور اُن دماغوں پر افسوس،

جو آئندہ کیلئے متنبہ نہیں۔ کوئی سال ایسا نہیں گذرتا جس میں نیات فاسدہ کی نامرادی اور اعمال مفسدہ کی ناکامی اپنے اندر ایک سبق عبرت و موعظت نہ رکھتی ہو۔ [illegible] اعمال اور قوم سے علیحدگی و مستبدانہ خود رائی کے ناکام نتائج اس کثرت سے سامنے آ چکے ہیں کہ اندھوں کے سامنے رکھے جائیں تو دیکھنے لگیں اور گونگوں کو سنایا جائے تو بے اختیار چیخ اٹھیں۔ پھر یہ کیوں ہے کہ آنکھیں بند ہیں، دل مردہ ہو چکے ہیں، کان پنبۂ غفلت سے بہرے، اور سب نے خدا کی طرف سے گردنیں موڑ لی ہیں؟ وجعلنا علی قلوبہم اکنۃ ان یفقہوہ وفی اذانہم وقرا! (۱۷-۴۶)

شاید ہی کوئی اور آیت اس قدر میری زبان پر ہمیشہ جاری رہتی ہے، جیسی یہ آیۃ کریمہ کہ فی الحقیقت ہماری موجودہ غفلتوں کا ایک مرقع عبرت ہے:-

اولا یرون انہم یفتنون فی کل عام مرۃ او مرتین ثم لا یتوبون ولا ہم یذکرون (۹-۱۲۷)

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ کوئی برس ایسا نہیں گذرتا جس میں ایک یا دو مرتبہ یہ لوگ آزمائشوں میں نہ ڈالے جاتے ہوں گے۔ باوجود اسکے نہ تو وہ اپنی بداعمالیوں سے توبہ کرتے ہیں اور نہ ان تنبیہوں سے عبرت پکڑتے ہیں۔



تقریر

جلسہ ۱۹ ر اکتوبر ۱۹۱۳ء میں

دوسری تجویز کے متعلق

نور و ظلمت

برادرانِ ملت! مسئلہ اسلامیہ کانپور کو شروع ہوئے چھ ماہ، اور انہدام حصۂ متنازع فیہ کو تین ماہ سے زائد زمانہ گذر گیا۔ یہ زمانہ اس عصر مظلمہ کا ایک تاریک ترین حصہ تھا، جو آج تین سال سے زمین کے بہت بڑے حصہ پر چھایا ہوا ہے۔ اور جو منجملہ تاریخ کی اُن یادگار قرن ظلمت کے ہے، جبکہ روشنی مظلوم اور تاریکی فتحیاب ہوتی ہے۔

یہ مسجد مقدس کانپور کا مسئلہ خونیں تھا، جسکے ماتم میں ہم نے یہ پورا زمانہ بسر کر دیا ہے۔

آج اس وسیع اور تاریخی ہال کے اندر جو لوگ موجود ہیں، انھوں نے اس گذشتہ سہ ماہی کے اندر بار ہا مجھے اپنے سامنے پایا ہے۔ انکو یاد ہو گا کہ میری فریادیں کس قدر پُر از غموم، اور میرا ماتم کس درجہ شدید تھا؟ میں نے ہمیشہ کہا کہ یہ ایک خالص دینی اور اسلامی مسئلہ ہے اور اسکے لئے ہر طرح کی سعی و کوشش داخل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ میں نے ہمیشہ اُن متہمین جرم بے جرمی کی تقدیس کی، جن کے ایک سوچے مقدس ہاتھوں میں بیڑیاں ڈالی گئیں، اور میں ہمیشہ اُس مقدس خون کے احترام میں رویا، جو ۳ ر اگست کو مشہد مقدس مچھلی

بازار میں حافظین مسجد الٰہی، اور ناصرین حرمت شعائر اللہ کا بہایا گیا۔ وہ ایک ظلم صریح تھا اور میں نے اُس ظلم کے اعلان میں کمی نہیں کی۔ وہ جبر و قہر کی ایک منحوس و مشئوم مثال تھی، اور میں نے انسانی فسق و معصیت سے نفرت کرنے کی توفیق پائی۔ یہ انصاف کی ایک یادگار قربانی تھی جسکے لئے حکومت کے عصیان و غرور نے چھری تیز کی۔ اور ظلم کے خونخوار عفریت کی پرستش تھی، جس نے انسانیت اور عدل الٰہی کا جسم پارہ پارہ کیا۔ پس میں نے انصاف اور انسانیت کے جنازے پر ماتم کیا، میں نے حق کی شہادت پر آنسو بہائے، میں نے عدل کی مظلومیت پر انسانوں کو دعوت آہ و بکا دی!

لیکن اے اخوان غیور! یہ حالت تھی، کہ یکایک حالات میں تغیر ہوا اور اوراق حوادث نے اپنا ایک نیا صفحہ اُلٹ دیا۔ یہ ماتم و فغان سنجی دراصل ایک معرکہ آرائی تھی، جس نے حق و باطل، ظلم و انصاف، اور نادانی و دانشمندی کو باہمدگر صف آرا کر دیا تھا۔ حق بے سر و ساماں تھا، جیساکہ ہمیشہ رہا ہے، اور انصاف مظلوم و مقہور تھا، جیساکہ ہمیشہ اسکو پیش آیا ہے۔

تاہم وہ حکیم و قدیر، جسکی قدرت کے کرشمے مخفی، اور جسکی حکمت کی تلوار ہمیشہ نیام میں رہتی ہے، غافل نہ تھا، وما اللہ بغافل عما تعملون۔ ہر چند حق سے اعراض کیا گیا، اور صداقت کو بار بار ٹھکرایا گیا، مگر اُس حق کی دنیا میں تحقیر کی جا سکتی ہے جو انسانوں کی فغاں سنج زبانوں سے نکلتا ہے، پر اسکی تو تحقیر کرنے پر کوئی قادر نہیں، جو حق کے پیچھے رہ کر اُس کو لڑاتا، اور پھر آخر میں فتحیاب کرتا ہے؟ وکم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ۔ بالآخر حق ظاہر ہوا، اور باطل نے شکست کھائی ان الباطل کان زھوقا۔ جن لوگوں کو بار بار کہا گیا تھا کہ تم صرف زخموں ہی کے مستحق ہو، ان کے لئے ۱۴ اکتوبر کو اُسی کانپور کے

اندر جس میں مچھلی بازار کی مسجد ۳ اگست کے حادثہ کی افسانہ خوانی کر رہی ہے ایک مرہم بھی طیار کیا گیا!!

حضرات! میں کہ زخموں کے لئے ہمیشہ رویا ہوں، آج اس دست مرہم بخش کے شکریہ کے لئے کھڑا ہوا ہوں (چیرز)

علاج کا اصلی وقت

حضرات! زخموں کے لئے مرہم کا شاید اصلی وقت وہ ہے، جبکہ زخم لگتا ہے اور دیر ہونے میں ہمیشہ ڈاکٹروں نے خوف ظاہر کیا ہے کہ زخم ناقابل اندمال نہ ہو جائے۔ تاہم میں بالکل پسند نہیں کرتا کہ وقت کا سوال چھیڑوں۔ میں صرف مرہم کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ یہ مرہم قیمتی ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ اگرچہ زخموں سے خون بہت بہہ چکا ہے تاہم مرہم میسر ہو تو وہ ہر حال میں مفید ہو سکتا ہے۔ ہم سب کی یقیناً آرزو ہوگی کہ یہ علاج سریع الاثر اور قوی النفع ثابت ہو۔ (چیرز)

موضوع تشکر

لیکن اے حضرات! ہر واقعہ کی مختلف حیثیتیں ہوتی ہیں، اور ہر حیثیت مخصوص نظر و بحث کی طالب۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ ریزولیشنوں کی ترتیب اور ان کے محرکین و مؤیدین کے منقسم فرائض کے بارے میں غلطی نہ کریں گے۔ ۱۴ اکتوبر کا واقعہ کئی چیزوں کا مجموعہ ہے لیکن میں دوسرے ریزولیشن کی نسبت عرض کر رہا ہوں۔ میرا موضوع اس وقت محدود ہے۔

عزیز گم گشتہ

حضرات! ہندوستان کا انصاف گم ہو گیا تھا۔ ہم اسکی تلاش میں نکلے۔ ہم نے اُسے کانپور میں بار بار تلاش کیا، مگر جس قدر تلاش کیا، اُتنا ہی وہ اور زیادہ گم ہوتا گیا۔ ہم نے کانپور کی سرکاری عمارتوں اور کانپور کی عدالت، دونوں جگہ ڈھونڈھا اور دونوں جگہ ناکام رہے۔ پھر ہم لکھنؤ آئے اور ہم نے سرکٹ ہاؤس کی دیوار کے نیچے اس یوسف عزیز کو ڈھونڈھا، مگر اُس کی صداء وجود کہیں سے نہ اٹھی۔ ہم نے نینی تال کی خوش فضا چٹانوں اور اسکی جمیل و حسین گھاٹیوں میں آوارہ گردی کی، مگر ہم منزل کی جستجو میں جسقدر نکلے، اُتنا ہی وہ ہم سے دور ہوتی گئی۔ ہمارے دل گو نہیں تھکے تھے، مگر ہمارے پاؤں تھک گئے تھے۔ ہمارے ارادہ دل نے گو جواب نہیں دیا تھا، مگر ہماری ہمت نے جواب دیدیا تھا۔

تاہم ہم نے پائے تلاش کو تیز، اور صدائے جستجو کو بلند تر کیا، اور بالآخر جو گم گشتہ انصاف ہمیں زمین پر نہیں ملا تھا، وہ زمین سے بلند تر یعنی (شملہ) کی چوٹیوں پر سے خود بخود نمودار ہو گیا۔ (چیرز)

شملہ اور نینی تال

حضرات! ہندوستان کے جغرافیے میں ہمیشہ یہ پڑھا جاتا ہے کہ (نینی تال) کا پہاڑ (شملہ) سے بہت چھوٹا ہے۔ وسعت میں بھی تنگ ہے، اور بلندی میں بھی کوتاہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر جغرافیہ اب اس مساحت کی تعلیم دینا چھوڑ دے، تب بھی ہمالیہ کی شاخوں کے متعلق ہماری معلومات غلط نہ ہوگی۔ کیونکہ اب ہمیں بغیر جغرافیہ کی منت پذیری کے یقین ہو گیا ہے کہ واقعی شملہ

زمینی ہمالہ سے بہت زیادہ وسیع، اور اس کی چوٹیاں اُس سے بہت زیادہ ارفع و اعلیٰ ہیں (چیرز۔ مسلسل اور دیر تک)

وفاداری کی بنیاد امید ہے

حضرات! آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے گذشتہ اتوار کے عظیم الشان مجمع میں کیا کہا تھا؟ اجازت دیجئے کہ میں اُسے پھر ایک مرتبہ دُہراؤں اور میں خیال کرتا ہوں کہ برٹش انڈیا کے ہر باشندے کو ہمیشہ دُہرانا پڑیگا۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ گو ہم زخمی ہیں اور ہمارے زخم بہت گہرے ہو گئے ہیں، تاہم مایوس نہیں ہیں۔ ہم اگر مایوس ہو جاتے تو ہماری حالت موجودہ حالت سے بالکل مختلف ہوتی۔ ہماری زندگی اس عقیدے پر ہے کہ برٹش حکومت ایک کانسٹی ٹیوشنل گورنمنٹ ہے۔ اس نے ہمیشہ دعویٰ کیا ہے کہ اسکی بنیاد قانون اور حقوق پر ہے نہ کہ شخصی استیلا اور جبر و تحکم پر۔ پھر ہم بھی مسلمان ہیں اور ہمارے مذہب نے ہمکو سکھایا ہے کہ حکم کسی طاقت کے لئے نہیں، اور کوئی انسان انسانوں پر محض اپنے تخت و تسلط کے زور سے حکومت کرنے کا حق نہیں رکھتا کہ ان الحکم الا للہ۔ پس جبکہ ہمارے سامنے یہ شاندار مگر اتنا ہی مؤثر دعویٰ موجود ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم مایوس ہو جائیں۔

جَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللهِ

ہمیں حق کی راہ میں جہاد کرنا چاہئے کہ جہاد سعی و کوشش کو کہتے ہیں، اور پوری قوت، پورے اتحاد، پورے استقلال، اور کامل تر ثبات و عزم کے ساتھ اپنے مطالبات حقہ کو پیش کرتے اور دُہراتے رہنا چاہیے، اگر انصاف

اس سرزمین میں گم ہو جائے تو ہمیں اسکی گم گشتگی پر ماتم کرنا چاہئیے، پر مایوس ہونا نہ چاہئیے۔ بہت ممکن ہے کہ اسکا سراغ حکام کے بنگلوں کے اُن برآمدوں میں نہ ملے جہاں حاکم و محکومی کے فرق کو نمایاں کرنے کے لئے سائلوں کو بہت دیر تک ٹہلنا پڑتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اسکا سراغ اُن عدالتوں کی شاندار عمارتوں کے اندر نہ ملے، جہاں قانون کا غلط استعمال، اور انسانی غلطی و غلط فہمی، اور تعصب و نفسانیت مر نہیں گئی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اسکا پتہ صوبوں کے فرمانرواؤں اور گورنریوں کے گورنمنٹ ہاؤسوں میں بھی نہ چلے، جہاں بااقتدار و حاکم انسانوں کے ساتھ "رعب حکومت" کے عفریت کو بھی بسنے کی بسا اوقات اجازت دیدی جاتی ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ بہت ممکن ہے کہ دہلی اور شملہ میں بھی آپ اسکی صدا نہ سنیں، جہاں بہرحال انسان ہی رہتے ہیں، اور آدم کی اولاد بلا استثنا اپنے اندر نیکی اور بدی کی وہ تمام قوتیں رکھتی ہے جو خدا نے اسکو ودیعت کی ہیں۔

لیکن تاہم اے حضرات! ہماری زندگی اور ہماری وفاداری صرف اس ایک ہی امید پر ہے کہ برٹش حکومت کا انصاف ہر جگہ گم ہو سکتا ہے لیکن "تاج" کے سایے میں اسکو گم ہونے کی جگہ نہیں مل سکتی، کیونکہ وہ جگہ صرف اُسکے نمایاں ہی ہونے کے لئے ہے۔ (چیرز)

نذارت و بشارت

یہ واقعہ اس عقیدے کی ایک تازہ نظیر ہے۔ وہ حق مانگنے والوں کے لئے ایک پیام مراد، اور چپ رہنے والوں کے لئے ایک تازیانۂ تنبیہ و عبرت ہے۔ اب وہ لوگ کہاں ہیں، جو کہتے ہیں کہ نہ مانگو، اس لئے کہ مانگنا گناہ ہے؟ اب وہ منافقین و خائفین کیوں ہمارے ساتھ بھی شریک شکرگزاری ہو رہے ہیں اور جو

کہتے تھے کہ شکایت نہ کرو، کیونکہ شکایت کرنا بغاوت ہے؟ اگر یہ بیج جو بویا گیا تھا، بغاوت کا تھا، تو آج وفاداری کے جس پھل کو لینے کے لیئے وہ بھی دوڑ رہے ہیں، وہ کہاں سے آیا؟ کیا یہ سب کچھ اُسی چیز کا نتیجہ نہیں ہے، جس سے روکا جاتا تھا اور جس سے ڈرایا جاتا تھا؟ (چیرز)

انگلو انڈین پریس

حضرات! اس واقعہ کو ابھی چار پانچ دن ہی گذرے ہیں مگر اتنے عرصے کے اندر ہی اُس تعصّب اور حاکمانہ غرور کے پتلے نے زہر کی قے کرنا شروع کر دیا ہے، جس کا دماغ نشۂ باطل سے معطل، اور جسکے جذبات ہیجان خود پرستی سے مجنونانہ ہیں۔ میرا مقصد اُس انیگلو انڈین طبقہ سے ہے، جو بدقسمتی سے ہمیشہ اسکا مخالف رہا ہے کہ ہندوستان پر حق و انصاف کے ساتھ حکومت کی جائے۔ اس کے خیال میں حضور وائسرائے نے اس مدبرانہ انصاف کے ذریعہ حکومت کے رعب کو زخمی کر دیا اور اسکے مزعومہ حریف بغاوت کو تلوار ریکھڑا دی۔ مگر کاش وہ سمجھتا کہ "رعبِ حکومت" کے فرضی دیوتا کو زخمی کرنا بہت بہتر ہے، اس سے کہ دس کروڑ مخلوقاتِ الٰہی کے دلوں کو زخمی کیا جائے۔ (چیرز)

وہ کسی انقلاب آفریں جماعت سے بہت ڈرتا ہے، جو اسکے وہم و خیال کے خواب میں بہت مہیب، اور اس کے تصوّر باطل اندیش میں کسی پیدا ہونے والی بغاوت کا مقدمۃ الجیش ہے۔ لیکن اگر (بائبل) کے اس جملہ کی صداقت اب تک باقی ہے کہ "جو بویا جاتا ہے، وہی کاٹا بھی جاتا ہے، تو ہمیں تعجب ہے کہ جن لوگوں نے خوف اور ڈر کا بیج بویا نہیں، وہ خوف کے پھل سے کیوں کانپ رہے ہیں؟ (چیرز)

وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ

حضرات! میں سمجھتا ہوں کہ انسانی خود غرضی کی مثال اس سے بڑھکر اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ انسان خود اپنے لئے جس چیز کو جائز نہیں رکھتا، دوسرے کے لئے اُسی کا خواہشمند ہوتا ہے؟ انگلستان کی سرزمین انصاف وحقوق کا مامن سمجھی جاتی ہے۔ اسکے بسنے والوں نے صدیوں کی جد وجہد سے اپنے حقوق حاصل کئے ہیں اور حکومتوں کو شکستیں دی ہیں۔ پس ہم بھی آج انگلستان سے وہی چاہتے ہیں جو خود اس نے چاہا (چیرز) پھر اسکے فرزندوں کا یہ نمونہ کیسا وحشیانہ ہے کہ وہ انصاف کے نام سے چڑتے اور حاکمانہ جبر کی پوجا کرتے ہیں؟ (چیرز)

سچ یہ ہے کہ (مسیح) کو اسکی زندگی میں بھی اسکے ساتھیوں نے نہ سمجھا، اور اسکے بعد بھی اسکے ماننے والے اس سے دُور رہیں۔ کیا یہ اینگلو انڈین مسیحی خدا کے فرزند کو کبھی بھی جواب نہ دینگے، جبکہ وہ پکارتا ہے کہ "تو دوسروں کے ساتھ بھی وہی سلوک کر، جو تو چاہتا ہے کہ دوسرے تیرے ساتھ کریں"؟ (چیرز)

یہی انسانی کمزوری ہے جسکی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے اور اسکو "تطفیف" سے تعبیر کیا ہے کہ ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون! لین دین میں کم دینے والوں کے لئے کیا ہی تباہی اور ہلاکت ہے! جب وہ دوسروں سے لیتے ہیں تو وزن میں ٹھیک لیتے ہیں، پر دوسرے کو دینے کا وقت آتا ہے تو گھٹا گھٹا کے اور بچا بچا کے دیتے ہیں!!

النبأ الاولیہ

بجرم عشق تو ہم می کشند و غوغائیست
تو نیز بر سرِ بام آکہ خوش تماشائیست

سرزمین محترم ہند کا فرزندانِ اسلام سے مطالبہ

ولو انا کتبنا علیھم ان اقتلوا انفسکم او اخرجوا من دیارکم ما فعلوہ الا قلیل منھم، ولو انھم فعلوا ما یوعظون بہ لکان خیرا لھم و اشد تثبیتا (۴-۶۹)

اور اگر ہم ان مدعیانِ خدا پرستی کو حکم دیتے کہ حق و صداقت کی راہ میں اپنی جانوں کی قربانی کرو یا اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل جاؤ، تو اُن میں سے چند آدمیوں کے سوا کوئی بھی ایسا نہ کرتا۔ حالانکہ جو کچھ ان کو سمجھایا گیا ہے اگر وہ اُسکی تعمیل کرتے تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا اور اسکی وجہ سے وہ اپنے حق و مقصد پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہتے۔

وہ آنکھیں جو ایک سال پہلے طرابلس اور برقہ کے مناظر مظلومیت پر خونبار فشانی کررہی تھیں، وہ دل جو چند ماہ پیشتر مقدونیا کے حوادث خونی کی یاد میں دونیم تھے، وہ زبانیں جو کل تک شہدا مقدسین کانپور کے لئے فغاں سنج تھیں، ابھی آسودہ اور فارغ البال نہوں کہ ان کی مشغولیت کا سامان باقی ہے!

سہ چیز است آنکہ پایانے ندارد
شبے من، دردِ من، افسانۂ من!

پھر وہ آنکھیں جنھوں نے کل تک حق و انسانیت کے ان عالمگیر ماتموں میں حصہ لیا ہے، کیا آج عدل و انصاف کی ایک مصیبت کبریٰ اور ماتم عظمیٰ کیلئے چند آنسوؤں سے بھی بخل کرینگی ؟

اگر کل تک طرابلس و بلقان کے ماتم گذار انسانوں کی مظلومیت پر رو رہے تھے، تو تعجب ہے اگر آج وہی انسانی مظلومیت ان کی آنکھوں کو تر نہ کرے ! اگر ان کا جوش و خروش اور جد و جہد اسلئے تھا کہ حق و انسانیت کا ساتھ دیں اور ظلم و عدوان سے نفرت کریں، تو حیف ہے اگر آج اسی مظلوم انسانیت کی چیخیں انکے دلوں کی محبت اور ہمت کی ہمدردی حاصل نہ کرسکیں !

انسانیت اور حق و عدل کے پرستاروں کے لئے امتیاز این و آں نہیں ہے وہ جو وطن کی قید سے منزہ، زمین و مرز بوم کی تمیز سے پاک ہیں، ان کے لئے خدا کی زمین کا ہر ٹکڑا اقدس، اور اسکے بندوں کا ہر گروہ محترم ہے، وہ انسانیت کے نادم ہیں، ان کی محبت کا نوعی شرف، وطن و قوم کی ادنیٰ ترین تقسیموں سے آلودہ نہیں ہوتا۔ ان کے کانوں میں جہاں کہیں سے بھی انسانیت کی فریاد آتی ہے، آنکھوں کے آنسو، اور دل کے زخموں کو اپنے استقبال کے لئے مہیا پاتی ہے۔ مشرق و مغرب ان کے لئے یکساں ہے۔ عزیز و بیگانہ کی تفریق میں انکے لئے آزمائش نہیں۔ طرابلس و مقدونیا کی تڑپتی ہوئی لاشوں پر اگر وہ ماتم کرتے ہیں، تو جنوبی افریقہ کے اُن قتیلانِ حق و انصاف کے خوں چکاں زخموں کو بھی دیکھکر چیخ اُٹھتے ہیں، جنھیں کوڑوں کی وحشیانہ عقوبت نے خاک و خون پر لٹا دیا ہے۔ د

لیس البران یحب الوطن، انما البر ان یحب العالم !

عارف ہم از اسلام خراب ست و ہم از کفر
پروانہ چراغ حرم و دیر نہ داند !

اسلام اسی عالم پرستی کی دعوت لیکر آیا۔ وہ اپنے پیروؤں کو وطن پرست نہیں بلکہ انسانیت پرست دیکھنا چاہتا ہے۔

خدمت عالم و خدمت وطن

لیکن اگر تمام عالم ہمارا وطن اور اسلیئے محترم ہے، تو وہ خاک تو بدرجۂ اولی ہمارے احترام محبت کی مستحق ہے، جسکی آب و ہوا میں ہم صدیوں سے پرورش پا رہے ہیں؟ اگر تمام فرزندانِ انسانیت ہمارے بھائی ہیں، تو وہ انسان تو بدرجۂ اولی ہمارے احترام اخوت کے مستحق ہیں، جو اسی خاک کے فرزند اور مثل ہمارے اسی کی سطح پر بہنے والے پانی کے پینے والے، اور اُسی کی فضار محبوب کو پیار کرنے والے ہیں۔

پس آج جنوبی افریقہ میں جو قیامت کبریٰ قائم ہے۔ مظلومیت کی جو انتہا اور ایثار و قربانی کی جو مہم درپیش ہے، میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں پیروانِ اسلام سے بڑھکر اور کون گروہ ہو سکتا ہے، جسکے لئے سب سے زیادہ جہاد جذبات و مال کی اسکے اندر دعوت ہو؟

وہ، جو دنیا میں حق کی نصرت کے لئے آئے ہیں۔ وہ، جو عالم کو اُس ظلم و سفاکی سے نجات دینے کے لئے آئے ہیں، جو حکومتوں کے غرور اور قوموں کے جنسی تعصب و وحشت سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ، جو عدل کے علم بردار، اور اسلئے خلافت الٰہی کے مدعی ہیں۔ وہ، جو دُنیا میں اپنے تئیں اُس ارحم الراحمین کا نائب سمجھتے ہیں جو ظلم پر غضبناک مگر انصاف سے خوش ہوتا ہے۔ اور پھر سب سے آخر مگر سب سے مقدم یہ کہ جو مسلم ہیں، اور اسلئے تمام عالم کی امنیت و عدالت کی نگرانی کے اولین مستحق ہیں؛ اگر وہ اپنی انسانیت دوستی اور مظلوم پروری کو دعوت

ایک ہی قوم و ملک کے ساتھ وابستہ کردینگے اور اس ظلم آباد ارضی کے ہر ماتم میں یکساں جوش و خروش اور غیر متغیر عزم و ہمت سے حصہ نہ لینگے، تو کیا پھر آسمانوں سے فرشتے اتر ینگے جو زمین کی بیکسی پر ماتم کرینگے؟ یا دریاؤں کی مچھلیاں اور ہوا کے پرند جمع ہوں گے، تا انسان کی مظلومی پر مرثیہ خوانی کریں؟

میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر میرا بس چلتا تو میں اس دنیا کے تمام ماتموں کو صرف مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص کر دیتا اور کسی دوسرے کی شرکت اسمیں کبھی گوارا نہ کرتا۔ کیونکہ زمین پر جہاں کہیں بھی ہمدردی کے آنسوؤں اور دل کے پیام محبت کی ضرورت ہو، وہ صرف پیروان اسلام ہی کا حصہ ہے، اور حضرت کلمۂ توحید ہی کے گھرانے کا ورثہ ہے۔ کیونکہ سب اسلئے آئے تاکہ اپنے تئیں بچائیں مگر مسلمان صرف اسلئے آئے تاکہ تمام انسانوں کو بچائیں۔ وکذلک جعلناکم امۃ وسطا، لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا۔

افسانۂ غربت

میرا مقصود جنوبی افریقہ ہندوستانیوں کے تازہ مصائب ہیں۔ ہندوستانیوں کا کوئی جرم بجز اسکے نہیں ہے کہ وہ وہاں بس گئے ہیں، کاروبار کرتے ہیں، اور چونکہ محنتی اور کفایت شعار ہیں، اسلئے روپیہ پیدا کر لیتے ہیں۔ انکی مرفہ الحالی وہاں کی گوری آبادی کو کھٹکتی ہے اور پسند نہیں کرتی کہ ان کی سرزمین میں باہر کا کوئی انسان روپیہ کمائے۔ بوجہ کم خرچ اور کفایت شعار ہونے کے ہندوستانی دوکاندار کم نفع پر مال فروخت کرتے ہیں۔ بعض بازاروں میں گورے دوکانداروں کو اس سے بھی نقصان ہوتا ہے۔ یہ انکی مزید برہمی کا سبب ہے۔ انھوں نے اپنی گورنمنٹ کو آمادہ کیا کہ کسی نہ کسی طرح ہندوستانیوں کو یہاں کے قیام سے

روک دیا جائے۔

یونین گورنمنٹ انسانوں کو یکایک قتل نہیں کر سکتی، وہ سمجھتی ہے اور یقیناً اسکے سامنے قرون مظلمہ کی وہ تمام وحشیانہ خوں ریزیاں موجود ہیں جو کی جا چکی ہیں جبکہ یہ دور دنیا کے امن و حریت کے لیے ایک جہنمی لعنت رہا ہے۔ اُسے وہ طریقہ بھی معلوم ہے جسکے ذریعہ رومی عیسائی مصر و شام کے ملحدوں کو سزائیں دیتے تھے، اور پھر اُسے زندہ انسانوں کو چٹائی میں لپیٹ کر جلا دینا بھی ضرور آتا ہوگا جیسا کہ اسپین کی مجلس عدالت دینی (انکویزیشن) ہزار ہا خدا کے پیدا کردہ انسانوں کے ساتھ کر چکی ہے۔ تاہم اب وہ ایسا نہیں کر سکتی، اور وقت کے انقلاب نے تعذیب و ہلاکت کے وہ تمام پرانے نسخے بیکار کر دیے ہیں۔

پس اُس نے قوانین وضع کرنا شروع کیے، اور یہ جدید قوانین کی لعنت بھی اُس لعنت سے کم نہیں ہے جو آگ اور تیر کے ہوسناک شعلوں اور ہلاکتوں سے نکلتی ہے۔ بلکہ فی الحقیقت وہ اس سے بھی شدید تر ہے۔ ایک غیور انسان تلوار کی دھار اور آتشکدے کے شعلوں سے نہیں ڈرتا مگر اُس تدبیر سے ضرور ڈرتا ہے جو اُسکے احترام و شرف کی تحقیر کرے۔

یہ قوانین عجیب و غریب ہیں، اور گویا ایک ایسی جماعت کیلئے ہیں جو سرے سے انسان ہی نہیں ہے۔ سب سے پہلے قانون رجسٹریشن نافذ کیا گیا، جس کو غالباً سات آٹھ سال کا زمانہ ہوگیا ہے۔ اسکا منشا یہ تھا کہ ہر ہندوستانی جو جنوبی افریقہ میں رہنا چاہے، اپنے تئیں رجسٹری کرا دے، ۳ پاؤنڈ یعنی ۴۵ روپیہ ٹیکس دے، اور رجسٹری کے فارم پر دستخط کی جگہ انگوٹھے کا نشان بنائے۔ پچھلے دنوں جب بزرگ و محترم ملک، آنریبل مسٹر گوکھلے جنوبی افریقہ تشریف لے گئے تھے، تو ارکان حکومت نے وعدہ کیا تھا کہ ٹیکس فوراً موقوف کر دیں گے۔ چنانچہ

انھوں نے اُسی وقت اسکی اطلاع بذریعۂ تار انگلستان و ہند کے پرلیس کو دیدی تھی۔ لیکن اب جنرل بوتا کہتا ہے کہ اس طرح کا کوئی بھی وعدہ نہیں کیا گیا تھا!

اسکے بعد "قانون آبادی اہل ہند" نافذ کیا گیا جو کسی وحشی سے وحشی گروہ کے لئے بھی ناقابل تحمل ہے۔ اس قانون کی رو سے ہندوستانیوں کے تمام حقوق مدنی و شہری غصب کر لئے گئے اور خدا کے ہزار ہا زندہ بندوں کو یکایک حکم دیا گیا کہ وہ موت سے بھی بدتر زندگی کے لئے طیار ہو جائیں:

(۱) ہندوستانی کسی شہر کی آبادی کے اندر نہیں رہ سکتے۔

(۲) ان کی دوکانیں شہر سے پورے دو میل کے فاصلے پر ہوں۔

(۳) شہر کی کسی شاہراہ پر سے وہ گذر نہیں سکتے۔

(۴) جنوبی افریقہ کے اندر کسی ریل کے بہتر درجہ میں سفر نہیں کر سکتے۔

(۵) کسی شہر کے کسی ہوٹل میں قیام نہیں کر سکتے۔

(۶) کسی رستوران (قہوہ خانے) میں بیٹھ نہیں سکتے۔

(۷) ۳۔ پاؤنڈ جزیہ بعمر ۱۳۔ برس سے زیادہ عمر کا ہندوستانی مرد اور عورت ادا کرے۔

مذہبی توہین

اس سے بھی بڑھکر یہ کہ ایک قانون کی رو سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے نکاح کو قانوناً ناجائز قرار دیا، اسلئے کہ "یہ اُس ملک کا طریق ازدواج ہے جہاں ایک سے زیادہ بیویاں کی جاتی ہیں"

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جسقدر ہندوستانی وہاں موجود ہیں، سب کی بیویاں حقوق زوجیت سے محروم ہو گئیں اور ان کی اولاد ناجائز قرار پائیں۔ اس سے بڑھکر کسی قوم کیلئے ظالمانہ سلوک کیا ہو سکتا ہے کہ اسکے مذہبی طریق کی علانیہ

توہین کی جائے۔ قانوناً اسکے طریق نکاح کو ناجائز تبلایا جائے۔ اور اسکی جائز بیویوں کو داشتہ عورت قرار دیا جائے؟

اجمال تاریخی

یہ سلوک اُن لوگوں سے کیا جاتا ہے جو نصف صدی پہلے امپریل گورنمنٹ کے حکم سے افریقہ بھیجے گئے تھے اور تقریباً سب کے سب مزدور پیشہ لوگ تھے۔ اُس وقت جنوبی افریقہ آج کا جنوبی افریقہ نہ تھا۔ وہ ایک ریگزار و ویرانی تھا، جہاں بڑے بڑے شہروں اور متمدن آبادیوں کی جگہ درندوں کے بھٹ، اور صحرائی جانوروں کے مساکن تھے۔ ان لوگوں نے اپنی جانوں کی قربانیاں کر کے شہر آباد کئے۔ عمارتیں تعمیر کیں، کارخانوں میں مشین کے پرزوں اور پھرکیوں کی طرح کام کیا، اور اس طرح وہ عظیم الشان جنوبی افریقہ طیار ہو گیا جسکے متمدن بازاروں سے اب ان وحشیوں کو گذرنے کی اجازت نہیں!!

ابتدائی تیس سالوں کے اندر ہندوستانیوں سے سلوک بُرا نہ تھا لیکن گذشتہ ۲۰-۲۵ سال سے موجودہ مظالم کی ابتدا ہوئی۔ مشہور جنگ ٹرانسوال کے اصلی اسباب و بواعث خواہ کچھ ہی ہوں، لیکن بظاہر ایک سبب گورنمنٹ ہند کی یہ شکایت بھی تھی کہ ہندوستانیوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جاتا یہی مسٹر گاندھی ہیں جنھوں نے جنگ کے چھڑتے ہی امپریل گورنمنٹ کو اطلاع دی تھی کہ وہ مع اپنی تمام جماعت کے برٹش گورنمنٹ کی خدمت کیلئے طیار رہیں جنگ کے کچھ عرصے بعد وہی امپریل گورنمنٹ، جسکی نظروں میں ہندوستان کبھی بھی ساعت گورنمنٹ کیلئے عملاً موزوں نہو گا، مجبور ہوئی کہ جنوبی افریقہ کو

اداری خود مختاری دیدے۔ چنانچہ کیپ، ناٹال، اور ٹرانسوال کے چار صوبے جو باہم ملکر ایک متحد حکومت بنا دیئے گئے تھے، برٹش گورنمنٹ نے انکی اداری خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

اس کے بعد ہی مصائب کا اصلی دور شروع ہوتا ہے۔ اس سے پیشتر جنوبی افریقہ کو گورنمنٹ ہند کا بھی کچھ نہ کچھ خوف تھا۔ اب وہ بھی جاتا رہا۔

۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۰ء تک

چنانچہ ۱۹۰۶ء میں قانون رجسٹریشن نافذ کیا گیا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اس میں یہ شرط قرار دی گئی کہ ہر مرد و عورت خواہ خواندہ ہو، خواہ ناخواندہ، دستخط کی جگہ اپنے انگوٹھے کا نشان مثل وحشیوں اور مشتبہ لوگوں کے چھاپے دے۔

ہندوستانیوں نے اس حکم کو اپنے محترم و محبوب ملک کی توہین سمجھا اور اسکے خلاف ایک خاموش مقابلہ شروع کر دیا۔ یہ مقابلہ متصل ۱۹۱۰ء تک جاری رہا۔ اس اثنا میں ڈیڑھ سو آدمی قید ہوئے۔ ایک سو کو جلا وطن کیا گیا۔ ۵،۷ لاکھ روپیہ سے زیادہ کی ہندوستانی جائدادیں ضائع ہوئیں، کتنے ہی خاندان برباد ہو گئے، کتنوں کے عزیز بچے اس دار و گیر میں گم گئے، جن کا سراغ اب تک نہیں ملا۔

اس اثنا میں بدبخت ہندوستان بھی چیختا رہا اور جنوبی افریقہ سے بھی کئی وفد انگلستان پہنچے۔ کچھ دنوں کے بعد ہی کینگ جارج پنجم کی تاجپوشی کی تقریب تھی اس تقریب نشاط میں مظلوموں کی فریادوں کا بلند ہونا موزوں نہ تھا، اسلئے امپیریل گورنمنٹ نے بھی زور ڈالا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عارضی طور پر ظلم وحشت کی اس بے امان شمشیر زنی میں ایک سکون سا پیدا ہو گیا اور یونین گورنمنٹ نے

بالفعل راضی نامہ کر لیا۔

گو بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ یہ سکون ہے، مگر در اصل ایک مہلت جنگ تھی اور اسلئے تھی تاکہ آیندہ زیادہ تازہ دم ہو کر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ باوجود گورنمنٹ کے متعدد مواعید و اعلانات کے اب پوری قوت اور آمادگی کے ساتھ وحشیانہ قوانین کا عمل درآمد شروع کر دیا گیا ہے۔

مقابلہ

لیکن ظلم و سفاکی کا جس قوت سے حملہ ہوا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ صبر و استقامت کی بھی اتنی ہی طاقت کے ساتھ فرزندانِ ہند مقاومت کیلئے طیار ہو گئے ہیں۔ تمام جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کی آبادی ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے، جس میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور ہیں۔ سب سے پہلے چار ہزار ہندوستانیوں کی ایک جماعت نے مسٹر (گاندھی) کے ماتحت عزت کی قربانی کے لئے اپنے تئیں پیش کیا۔ انھوں نے کاروبار بند کر دیے اور ٹرانسوال سے نٹال روانہ ہو گئے یہ اسلئے کیا کہ ہندوستانیوں کیلئے ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں جانا بھی جرم ہے۔ پس انھوں نے چاہا کہ اُس قانون کی عملاً خلاف ورزی کر کے اپنے تئیں سزاوار لائیں اور اس طرح ظلم کے مقابلے میں بظاہر جسمانی شکست کھا کر حقیقتاً اخلاقی فتح حاصل کریں۔

اس جماعت میں صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتیں بھی اور ان کے ساتھ معصوم بچے بھی ہیں!

بالآخر مسٹر گاندھی گرفتار کر لئے گئے اور انھوں نے جرمانے کی جگہ قید خانے میں جانا پسند کیا۔

مُقدّس قربانی

مسٹر گاندھی اس خاموش مقابلہ کا سپہ سالار ہے۔ وہ ایک کامیاب بیرسٹر تھا جسکی آمدنی ایک لاکھ روپیہ سالانہ کے قریب تھی لیکن مدت سے اس جانفروش راہ حریت نے پریکٹس چھوڑ دی ہے۔ اپنی تمام دولت اسی راہ میں لٹادی اور صرف ۳۔ پاؤنڈ ماہوار پر گذارہ کرتا رہا۔ یہ وہ مقدس ایثار ہے جس کے لئے ہندوستان میں ہم ترس رہے ہیں لیکن ہندوستان کا ایک فرزند ہندوستان سے باہر اسکا ناقابل فراموش نمونہ پیش کر رہا ہے!!

جہاد فی سبیل اللہ

ہر جد وجہد جو ظلم، جبر، ناانصافی، اور انسانیت دشمنی کے مقابلے میں کی جائے، فی الحقیقت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ کیونکہ خدا انسان نہیں ہے جسکے کاموں کے لئے ہم اپنے جان و مال کو نثار کردینگے، بلکہ صداقت اور حق و عدالت ہی اسکا کام اور ظلم کی مقاومت ہی اُس کی راہ ہے۔ پس زمین پر جو شخص حق کی خدمت کرتا ہے، یقیناً وہ آسمان پر خدا کے خدمتگذاروں میں پکارا جاتا ہے۔ مسٹر گاندھی نے اس راہ میں اپنی جان اور مال دونوں لٹادیا پس فی الحقیقت وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں۔ اور "بانفسھم وباموالھم" کے ہر دو مراحل جہاد مقدس سے گذر چکے ہیں۔

یہ حق و عدالت کا سپہ سالار عجیب ہے۔ جبکہ بندوقوں کے فیر اور کوڑوں کی ضربوں سے اسپر حملہ کیا گیا ہے، تو نہ تو اُس کے پاس مسلح فوج ہے اور نہ خود اسکے ہاتھ ہی میں لوہے کا کوئی تیز آلہ ہے، تاہم ہمکو یقین ہے کہ اسکی فوج

بے شمار، اور اسکے آلاتِ جنگ کی کاٹ کاری ہو گی۔ وہ اس معرکے میں گو تنہا ہے، لیکن حق وصداقت کے فرشتے اُسکے یمین ویسار ہیں، اور اسکے ساتھی گو نہتے ہیں، لیکن مظلومیت خود ہی ایک تلوار ہے، جسکی موجودگی میں اور کسی اسلحہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ وقت دور نہیں جب اس جنگ کا خاتمہ ہوگا، اور دُنیا کے لئے صابر اولوالعزم مظلوموں نے اخلاقی فتح کی ایک عظیم الشان مثال یادگار چھوڑی ہو گی!

بلیٰ ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسۃ الاف من الملائکۃ مسومین (۳-ع ۱۳)	ہاں بیشک اگر تم صبر کروگے اور حق وصداقت کی نافرمانی سے بچوگے تو پھر تمھیں کوئی قوت شکست نہ دے سکیگی۔ اگر تم پر دشمن اسی آن حملہ کردیں تو خدا اپنے ہزاروں ملائکہ نصرت سے مدد کریگا۔

موجودہ حالت

قبل ازیں تازہ حالات کا خلاصہ دیچکے ہیں، تمام ہندوستانی لیڈر گرفتار کرلئے گئے ہیں۔ کانوں کے احاطوں کو بھی جیل خانہ بنادیا گیا ہے۔ جبر و ظلم، خوں ریزی وسفاکی، تعذیب وعقوبت کی انتہا ہوگئی۔ جن مزدوروں نے کام چھوڑ دیا ہے اُن کے لئے پستول اور کوڑے اپنی جلادی کیلئے مستعد ہیں۔ عدالت حکم دیتی ہے کہ جو مزدور کام نہیں کریگا اُس کو بھوکا رکھکر مارا جاویگا دو ہندوستانی زخمی ہو چکے ہیں اور کوڑوں کی سزائیں جاری ہیں۔

گورنمنٹ ہند

یہ بالکل سچ ہے کہ جنوبی افریقہ کی گورنمنٹ اندرونی خودمختاری رکھتی ہے،

اور وہ کچھ ہندوستان نہیں ہے جہاں سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔ تاہم قابل غور امر یہ ہے کہ انگلستان کی وہ انسانی ہمدردی، مظلوم پروری، نوع خواہی جو کبھی ساحل باسفورس پر جنگی نمایش کرنا چاہتی ہے، کبھی مقدونیا میں اپنے کمشنر مقرر کرتی ہے، کبھی جنگی بیڑوں کو دردانیال کے قریب پہنچ جانے کا حکم دیتی ہے کیا اس انتہائی وحشت و سفاکی پر بھی کچھ نہ کہہ سکیگی؟

امپیریل گورنمنٹ یقیناً اندرونی معاملات میں دخل نہیں دلسکیتی لیکن کیا بحیثیت ایک متمدن حکومت ہونے کے اُس ظلم و جبر پر مؤاخذہ بھی نہیں کرسکتی، جس کا ایک ادنیٰ سا شبہ بھی ٹرکی اور ایران کو تخت حکومت اُلٹ دینے کی دھمکی دینے لگتا ہے؟ کیا اگر چین کے کسی کھیت میں، شام کے کسی دامن کوہ میں، قسطنطنیہ کی کسی گلی میں، مصری فلاحوں کی کسی آبادی میں، ایک گورے جسم کے ساتھ کسی غیر مسیحی ہاتھ کا کوڑا مس کرجاتا، تو انگلستان کی بے حسی کا یہی حال ہوتا جو آج کامل پندرہ سال سے نظر آرہا ہے؟

گورنمنٹ ہند نہیں معلوم کب کروٹ لیگی؟ جو زخم مظلوموں کے جسموں پر لگ رہے ہیں، وہ شاید اُس مراسلہ کے نتیجہ کا انتظار نہ کریں جو لارڈ ہارڈنگ کی گورنمنٹ انڈیا آفس میں بھیجے گی۔

ہمارا فرض

لیکن بہرحال انسانی فرض ان فکروں سے بالاتر ہے۔ خود ہم کہ اپنے عزیز بھائیوں کی فریادوں کو سن رہے ہے، اور ان کی داستان غربت و مصیبت کو پڑھ رہے ہیں، صرف اپنا فرض ہی سوچنا چاہئے۔

اس وقت سب سے زیادہ مقدم کام روپیہ کی فراہمی ہے، جس کے لئے

ہندوستان کے بزرگترین فرزند، یعنی آنریبل مسٹر گوکھلے نے دورہ شروع کردیا ہے۔ اس حق و ظلم کی معرکہ آرائی کی فتح صبر و استقامت پر موقوف ہے اور وہ بغیر اعانت مالی کے ممکن نہیں۔ پنجاب نے اس بارے میں قابل تقلید مثال قائم کی ہے، جہاں ایک دن کے اندر ۲۵ ہزار روپیہ ہوگیا اور مسٹر لاجپت رائے نے کہا کہ "میں اپنی تمام پونجی فنڈ میں دیدینے کے لئے طیار ہوں"

افسوس کہ یہ سب کچھ ہو رہا ہے مگر مسلمان غافل ہیں، اور جس صف میں انھیں سب سے آگے اُن کے خدا نے رکھا تھا، اپنی بدبختی سے اس میں سب سے پیچھے بھی نہیں۔

آج مسٹر گوکھلے روپیہ کی فراہمی کے لئے دورہ کر رہے ہیں، مگر کہیں سے بھی یہ صدا نہیں آتی کہ فلاں مسلمان لیڈر بھی اس کام میں تھوڑا سا وقت دینے کے لئے نکلا ہے! افسوس وصد افسوس!!

کامل اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

میں اپنی حالت کس کو سُناؤں کہ علائق نے کیسا کچھ مجبور کر دیا ہے، تاہم ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں کہ کسی طرح بند توڑوں اور کلکتہ سے نکلوں۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ آج ان کی نئی زندگی کی آزمایش ہے۔ آج تک انھوں نے ملک کی تمام خدمتیں صرف ہندوؤں ہی کے لئے چھوڑ دی تھیں، اور خود اپنے لئے ہندوؤں کو باغی کہنے کا شریفانہ مشغلہ منتخب کرلیا تھا۔ ملک کی بہتری و فلاح کی فکر ہو تو صرف ہندوؤں ہی کو، جابرانہ قوانین کے خلاف احتجاج کریں تو صرف ہندو، جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کیلئے روئیں تو صرف ہندو۔ اگر ایسا ہی ہے تو خدارا اپنے دلوں میں سوچو کہ بدبخت مسلمان آخر کس مرض کی دوا ہیں؟ اگر وہ ہندوستان میں بستے ہیں تو کیا

ہندوستان کی خدمت بھی ان کا فرض دینی نہیں ؟ اگر تمام عالم ان کا وطن ہے تو کیا ہندوستان بھی نہیں ہے ؟

گلگونۂ عارض ہے نہ ہے رنگِ حنا تو !
اے خوں شدہ دل ، تو تو کسی کام نہ آیا

مگر اب حالت پلٹی ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہم بیدار ہوئے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو اس کا ثبوت کہاں ہے ؟

آیۂ کریمہ عنوان مقالہ

عنوان مضمون کی آیت پر غور کرو۔ یہ آیت سورۂ نسا کے اُس حصّے کی ہے جہاں خدا تعالیٰ نے ضعفاؤ منافقین کی حالت بیان کی ہے۔ فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ حکم دیتا کہ اسکی صداقت وعدالت کی راہ میں جہاد کرو ، اپنے وطنوں کو چھوڑ دو ، اپنی جانوں کی قربانیاں کرو ، تو کتنے راستباز انسان ہوتے جو اس حکم کے آگے سر جھکا سکتے ؟

حالانکہ اصل راہِ آزمایش یہی ہے۔

آج ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچے۔ جنوبی افریقہ میں ہمارے عزیز و محبوب بھائی جو صدمات عزت وطن محترم کی راہ میں برداشت کر رہے ہیں ، اگر ان کی جگہ ہم ہوتے اور ہم سے ایسا کہا جاتا تو ہماری حالت کیا ہوتی ؟ ہم میں کتنے ہیں جو اپنی لاکھوں روپیہ کی جائداد اپنے ہاتھوں تاراج کرنے کے لئے مستعد ہیں ؟ کتنے ہیں جو مسٹر گاندھی کی طرح ایک لاکھ سالانہ کی آمدنی چھوڑ کر دو سو روپیہ ماہوار پر اپنی پوری زندگی دے سکتے ہیں ؟ پھر کتنے ہیں جو جلاوطن ہونے کے لئے ، قید میں جانے کے لئے ، اپنے بیوی بچوں کو دشت غربت میں

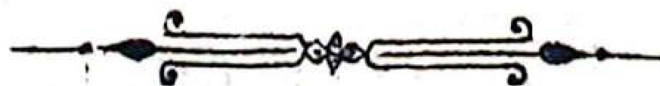
مبتلائے آلام و مصائب کرنے کے لئے پستولوں کا نشانہ اور کوڑوں کا تختۂ ظلم بننے کے لئے طیار رہیں؟

ہندوستان میں آزادی کے غلغلوں سے پورا برِ اعظم لرز رہا ہے۔ حریت اور قربانی کے دعووں سے کوئی زبان نہیں جو نا آشنا ہو، مگر عزیزانِ ملک و ملت! میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ آج جنوبی افریقیہ میں جو کچھ ہو رہا ہے، اگر اس کا دسواں حصہ بھی یہاں پیش آئے تو ہندوستان کے شاندار دعووں اور عظیم الشان اعلانات کے ہجوم میں بہت کم سچی روحیں ایسی نکلیں گی جو آزمائش میں ثابت قدم بھی رہینگی:-

در مدرسہ کس را نہ رسد دعوئے توحید
منزل گہِ مردانِ موحد سر دار ست

ولو انا کتبنا علیھم ان اقتلوا انفسکم او اخرجوا من دیارکم ما فعلوہ الا قلیل منھم!

اب بھی وقت ہے کہ مسلمان خواب غفلت سے چونکیں اور جس جوشِ ایثار سے انھوں نے جنگ طرابلس و بلقان اور مسجد کانپور کے معاملہ میں حصہ لیا تھا، اس معاملہ میں بھی حصّہ لیں۔ والسلام علی الذین یستمعون القول فیتّبعون احسنہ، اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولوا الالباب ○



حادثۂ "زمیندار پریس" لاہور

شکست صلح

وَھُمْ بَدَءُ وْکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ

اتخشونھم فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مؤمنین

"تاثیر آہ و نالۂ مسلم" و سے مترس!

مارا ہنوز عربدہ باخویشتن بس است

واقعۂ "زمیندار پریس" لاہور میں فی الحقیقت ارباب بصیرت کیلئے بہت سی عبرتیں پوشیدہ ہیں جنھیں یکے بعد دیگرے بیان کرونگا گو ان کا بیان کرنا بعض لوگوں کے لئے کتنا ہی موجب غیظ و غضب ہو قل موتوا بغیظکم ان اللہ علیم بذات الصدور (۳-۱۱۵) میں اُن لوگوں کو کبھی بھی اپنے سے خوش نہیں رکھ سکتا جن کی نسبت مجھے یقین ہے کہ ان کی خوشی خدا کی خوشی کے خلاف ہے۔ پھر یہ مغرور نادان کیوں ایسا چاہتے ہیں؟ مسیح اپنے پیرؤوں سے یقیناً زیادہ حکیم تھا۔ جبکہ اُس نے کہا کہ ایک نوکر دو آقاؤں کو خوش نہیں کر سکتا۔ پس ایک راہ کا اختیار کرنا ناگزیر ہے!

ولن ترضی عنک الیھود ولا النصاریٰ اور تم سے یہود اور نصاریٰ کبھی بھی خوش نہ ہونگے

حتی تتبع ملتہم، قل ان ہدی اللہ ھو الھدیٰ، ولئن اتبعت اھواءھم بعد الذی جاءک من العلم، مالک من اللہ من ولی ولا نصیر (۲-۱۴۴)

جب تک کہ انہی کا طریقہ اختیار نہ کر لو۔ پس ان لوگوں سے کہدو کہ اللہ کی ہدایت تو وہی ہدایت ہے جس پر ہم چل رہے ہیں۔ اور اگر تم نے بعد اسکے کہ تمہارے پاس علم صحیح موجود ہے، انکی خواہشوں کی پیروی کی تو پھر جان لو کہ تم کو اللہ کے غضب سے بچانے والا نہ تو کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار!

سب سے پہلے تو میں اس واقعہ کے اندر ایک عظیم الشان احسانِ الٰہی کی بشارت دیکھتا ہوں، اور سچ یہ ہے کہ اس حق نواز قدوس کا کوئی کام ارباب حق کیلئے مصلحت و حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ قوموں اور جماعتوں کے حس و غیرت اور جوش حیات کی پرورش کے لئے جبر و تشدد مثل اُس پانی کے ہے جو کسی خشک و افسردہ درخت کی جڑ پر ڈالا جائے۔ یہ پانی جس مقدار میں اُسے میسر آتا ہے، ٹھیک اُسی کے مطابق اُسکی نشو و نما بھی ہوتی ہے۔

خدا کی یہی مرضی معلوم ہوتی ہے کہ اب ہندوستان کے مسلمان جاگیں، اور اس طرح جاگیں کہ پھر اُنھیں کوئی نہ سلا سکے۔ خدا کی آواز اسکے کاموں سے نکلتی ہے اور اسکی مشیت کی زبان تغیرات و حوادث عالم کی زبان ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اسباب و بواعث مسلسل نہ ہوتے، اور تنبیہ و غفلت شکنی کے تازیانے اس طرح یکے بعد دیگرے نہ پڑتے۔

جنگ طرابلس نے زمین طیار کی اور تقسیم بنگالہ کی منسوخی نے اسمیں بیج ڈالا۔ اب پانی کی ضرورت تھی جو برسے، اور آفتاب کی ضرورت تھی جو گرمی پہنچائے۔ پس جنگ بلقان نے بارش خونیں سے سیراب کیا، اور اسکے بعد ہی مچھلی بازار کانپور کے افق پر آفتاب مظالم نے سرخ نقاب اوڑھکر اپنا

چہرۂ لالہ گوں دکھلادیا۔ یہ سب کچھ اس بیج کی پرورش کیلئے کافی تھا، لیکن کیا کیجئے کہ دہقان کی غفلت بھی شدید تھی اور دزدان زراعت، سے کمین گاہیں بھی خالی نہ تھیں۔ پس ضرور تھا کہ خود قدرت الٰہی ہی اسکا سامان کرتی اور جس پانی کے برسے بغیر یہ بیج بارآور نہیں ہوسکتا، اس کی آب پاشی نہ رکتی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور زمیندار پریس کی ضبطی سے اس بارش نشوفرمائی کی ابتدا ہو گئی ہے۔ جیسا کہ برستا رہا ہے، ویسا ہی اب بھی برسیگا، اور جیسا کہ ہمیشہ ہوا ہے، اب بھی وہ سب کچھ ہوگا۔ عقلمند کے لیے دانائی ہے، اور نادان کیلئے غفلت لکھی جاچکی ہے، اور روشنی دیکھتی ہے، مگر تاریکی کیلئے کچھ بھی نہیں۔

پس اگر آنکھیں ہیں تو دیکھیں، اگر کان ہیں تو سنیں، اور اگر دل ہیں تو سمجھیں

وھو الذی جعل لکم السمع والابصار والافئدۃ، قلیلا ما تذکرون!

حادثۂ مسجد کانپور کے بعد غفلت کے سر جھونکے چلنے لگے تھے، خدا نے چاہا کہ ایسا نہو، کیونکہ اس کی مرضی یہی معلوم ہوتی ہے کہ اب ایسا نہوگا۔ پس اس نے تمھاری پشت غفلت پر ایک اور تازیانہ لگایا، اور تمھارے دل غفلت سرشت کو ایک اور مہلت بیداری دینی چاہی۔ اسکی ہر بخشی ہوئی فرصت کو تم نے ضائع کیا ہے، اسکی ہر دی ہوئی قوت عمل کو جو ادھر تین سال کے اندر تمھیں عطا ہوئی، نذر غفلت و نادانی کیا گیا ہے، اور وقت کی ہر صدائے کار جواب عمل سے محروم واپس کردی گئی ہے، لیکن کچھ ضرور نہیں کہ ہمیشہ ایسا ہی ہو۔ اگر تمھاری غفلت شدید ہے تو خدا کا تازیانہ بیداری بھی کچھ شدید نہیں۔ یہ تمھاری غفلت اور وقت کی ہشیاری کا مقابلہ ہے۔ آخر میں تمھیں ہارنا ہی پڑیگا۔

کب تک ایسا ہوگا کہ اٹھو گے اور پھر لیٹ گے ؟ کھڑے ہو گے اور پھر گر رہو گے ؟ اگر اٹھانے والا ہاتھ قوی ہے تو وہ تمھیں بستر پر لوٹنے کی جگہ زمین پر دوڑا ہی کر چھوڑے گا!

لیکن افسوس ہے کہ اس حقیقت کے سمجھنے کی ہم سے زیادہ ضرورت ہماری گورنمنٹ کو تھی، مگر تاریخ عالم بتلاتی ہے کہ جب ہونے والا ہوتا ہے، اور آنے والا وقت آتا ہے تو جاننے والے نا سمجھ، اور دیکھنے والے کور ہو جاتے ہیں۔ افسوس کہ گورنمنٹ میں صوبوں اور شہروں کے حکام کا عنصر اصلی قوام حکومت ہے، اور حکومت کی اعلیٰ قوتیں وقت کی اصلی حالت اور ملک کے حقیقی دکھ سے بے خبر رکھی جاتی ہیں۔

ہندوستان میں آج دو تحریکیں موجود ہیں: ایک وطنی تحریک ہے جو ہندوستان کی سب سے بڑی کثیر التعداد قوم میں پیدا ہوئی، اور اس کا مرکز بنگال ہے۔ دوسری اسلامی تحریک مسلمانان ہند کی بیداری کی ہے، جو اب اپنی غفلت کی ضائع کردہ جگہ جلد جلد چل کر کسی طرح حاصل کرنا چاہتی ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ پچھلے کے لیے پہلے سے عبرت پکڑی جائے؟

بنگالیوں کی تحریک جب شروع ہوئی تو بہتر تھا کہ تقسیم بنگال کا اسے بہانہ نہ دیا جاتا اور غیر مدبر لارڈ کرزن کی جگہ مدبر و دانا لارڈ ہارڈنگ کی پالیسی اختیار کی جاتی۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ سختی اور قوت سے ہر آواز کو بند کر دینا چاہا، اور قانون کے جا و بیجا استعمال کی غلط و ناکام قدرت نے یہ غلط مشورہ دیا کہ درخت جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جا سکتا ہے۔ پس اخبارات بند ہوئے، پریس ضبط کیے گئے، جلسوں کو روکا گیا، شہر کے اندر انعقاد مجالس کا قانون نافذ کیا گیا، اور ہر مجسٹریٹ اور ہر حاکم ضلع کو اپنے انتہائی اختیارات کی نمائش

کے لئے چھوڑ دیا گیا۔

لیکن اس کا کیا نتیجہ نکلا؟ اگر مقصد حاصل ہو جاتا تو یہ اچھا تھا، مگر کیا مقصد حاصل ہو؟ کیا پھوڑے کو دبانے کی کوشش سے یہ نہیں ہوا کہ جو مادہ باہر نکلکر بہتا وہ اندر ہی اندر پکنے لگا؟ مانا کہ پیشانی اور منہ بے داغ ہو گیا، مگر کپڑے کے اندر کی چھپی ہوئی پیٹھ پھوڑوں سے بھر بھی تو گئی؟

وہ آگ جو شکوہ و شکایت کا دھواں بن کر دھیمی پڑ جاتی، جب دبا دی گئی تو گندھک کے آتش فشاں مادے کی طرح اندر ہی اندر کھولنے لگی۔ پھر ایسا ہوا کہ یکا یک بھونچال آئے، اور زلزلوں نے دیواروں کو ٹکرا دیا اور بنیادوں کو ہلا ہلا کر گرا دیا۔ آج دس برس سے طاقت اور ہشیاری اپنی انتہائی قوتوں کو صرف کر چکی ہے، لیکن نہ تو اس اندرونی آتش افشانی کا سراغ لگتا ہے، اور نہ کوئی پانی ایسا میسر آتا ہے جس سے پورے طور پر وہ آگ بجھائی جا سکے۔ ملک کی تمام امن خواہ عقول یکسر مضطرب اور عاجز ہیں۔

ہمدرد و غمگسار بادشاہ آیا، مگر افسوس کہ مرض کے مہلک ہو جانے کے بعد اسکا علاج کیا گیا۔ تقسیم بنگال کی منسوخی گویا اس آگ پر بعد از وقت پانی کا ڈالنا تھا۔ مگر کل تک کے واقعات سے پوچھا جا سکتا ہے کہ وہ بجھ گئی ہے یا ابھی باقی ہے؟

کیونکہ اگر آگ زمین کے اوپر ہوگی تو بجھائی جا سکے گی، پر اگر تم نے غلطی سے اُسے نیچے جانے دیا تو پھر وہ چلی جائے گی، اور نہ تو تمہارا ہاتھ وہاں تک پہنچ سکیگا کہ خاک ڈال سکو، اور نہ تم اُسے دیکھ سکو گے کہ اسپر پانی چھڑکو!

برخلاف اسکے موجودہ اسلامی تحریک۔ ایک پر امن اور عافیت خواہ

حرکت تھی، جو ابتدا میں تو عام مصائب اسلامیہ کی وجہ سے نمایاں ہوئی، اور پھر اندرون ہند کے بعض حوادث کے متعلق قومی بیداری و اتحاد کی صورت میں ظاہر ہونے لگی۔ چونکہ اسکے کاموں کو بند کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اور اُس طرح کی سختی اور تشدد کا سلوک ابتدا میں نہیں ہوا جیسا کہ اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ باوجود انتہا رجوش و خروش اور مذہبی درد و الم کے، تمام ہندوستان میں ایک واقعہ بھی اب تک ایسا نہیں ہوا، جسکی نسبت کہا جا سکے کہ یہ امن اور وفاداری حکومت کے منافی ہے۔

مثلاً ہلال احمر کے جلسے ہر جگہ ہوتے تھے، اور لوگ ہندوستان کے باہر کے اسلامی مصائب پر ماتم کرتے تھے۔ انھوں نے ماتم کیا، رزولیوشن پاس کئے، اور رو دھو کے متفرق ہو گئے۔ لیکن اگر حکومت کی طرف سے کھلی رکاوٹیں پیدا کی جاتیں، جلسے روکے جاتے، اخبارات کو بند کر دیا جاتا، تو دنیا دیکھ لیتی کہ کیا نتائج نکلتے، اور یہی جوش جو صرف اجتماع و انعقاد مجالس کی صورت اختیار کر کے ختم ہو جاتا تھا، کیسی خطرناک حالت پیدا کر دیتا ہے کیونکہ جوش خواہ کسی قسم کا جوش ہو، لیکن دبانے سے پرورش پاتا، اندر ہی اندر کھولتا اور پھر کبھی نہ کبھی پھوٹتا ہے۔

پس گورنمنٹ کیلئے بہترین حکمت عملی یہی تھی کہ وہ اسلامی تحریک کے ساتھ بندش اور رکاوٹ کی پالیسی کا نہیں بلکہ تسامح اور فیاضی کی دانشمندی کا سلوک کرتی۔ کیونکہ نہ تو اسمیں غیر وفاداری کی آمیزش ہے اور نہ بغاوت کا بیج۔ وہ صرف اپنی اصلاح کرنا چاہتی ہے، اور اپنی حکومت ایک کانسٹی ٹیوشنل گورنمنٹ یقین کر کے بعض حکام کی بیجا سختیوں کیلئے فریادی ہے۔

اسی کانپور کے واقعہ کو دیکھو! کیا وہ بہتر تھا جو سر جیمس مسٹن نے کیا،

یا وہ، جو لارڈ ہارڈنگ نے؟ پہلے نے بھڑکایا اور دوسرے کی دانشمندی نے بھڑکتے ہوئے کو یکایک بجھا دیا۔

اب ہر طرف سکوت تھا اور خاموشی، لیکن زمیندار پریس کا واقعہ وہ نیا قدم ہے جو خود گورنمنٹ پنجاب نے بڑھایا ہے۔

تاہم اس غفلت آباد حکومت میں ایک آنکھ ہے جو تدبیر و دانش کی سچی روشنی سے منور، اور حکمت و عاقبت بینی کی بصیرت سے مجلی ہے۔

وہ، جس نے دہلی میں زخم و خون کا جواب صبر و تحمل سے، اور دشمنی کے پیغام کو محبت کے جواب سے سُنا۔ جو ۲۴ اگست کو کانپور آیا تاکہ زندانیان بے جرمی کو امن کا پیغام سُنائے اور اس نے کہا کہ میں پدرانہ محبت کے لہجے میں تم سے کہتا اور تمھارے پاؤں کی بیڑیاں کھولتا ہوں۔

وہ کون؟

دانشمند لارڈ ہارڈنگ!

وقت ہے کہ وہ اپنے زمانۂ حکومت کی سب سے آخری مگر حکومت کے لئے سب سے بڑی نیکی انجام دے۔

لیکن اگر ایسا ہوا تو یہ گورنمنٹ کیلئے عافیت اور بہتری ہوگی، اور اس کی خیر خواہی اگر منظور ہو تو صرف اسی مشورے میں سچائی ہے جو دیا جاتا ہے، ورنہ جیسا کہ لکھ چکا ہوں، موجودہ تحریک کی علی الرغم حکومت پرورش کیلئے تو واقعات کا نیا سلسلہ مہلک ہونے کی جگہ یقیناً حیات بخش ہے۔

مجھے ہمیشہ حیرت ہوتی ہے کہ دنیا کے بعض مسلم اور معلوم حقائق کے اعلان و تذکرہ سے باوجود علم و واقفیت کے لوگ کیوں گھبراتے ہیں؟ یہ جو کچھ کہ میں کہہ رہا ہوں یہ بھی ایک ایسی ہی تلخ مگر غیر متزلزل حقیقت ہے۔ دنیا کی تمام

قوموں کی تاریخوں کو پڑھو۔ یورپ کے متمدن ترین ممالک کی گذشتہ چار پانچ صدیوں پر نظر ڈالو۔ اگر ان سب کیلئے وقت و مہلت کا عذر ہو تو مشرق کے قریبی حوادث و تغیرات کو دیکھو، کیا ہر جگہ اور ہر مرتبہ ایسا ہی نہیں ہوا ہے کہ زندگی کی گرمی کو بربادی کی آگ سمجھ کر جبر و تشدد کا پانی ڈالا گیا ہے اور وہی پانی تیل کا سا اثر پیدا کر کے بجھانے کی جگہ اور مشتعل کرتا رہا ہے؟ یہ سچ ہے کہ ہوا چراغ کی لو کو بجھا دیتی ہے مگر کیا یہ بھی سچ نہیں ہے کہ انگیٹھی کے شعلوں کو بھڑکا بھی دیتی ہے۔ پھر وہ لوگ جو وہ کچھ کر رہے ہیں جس سے بھڑک پیدا ہو، گورنمنٹ کے خیر خواہ ہیں، یا وہ جو ایسا مشورہ دیتے ہیں جس سے شعلہ افروزی کی جگہ سکون و امن پیدا ہو؟ فایّ الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون؟

زمینداری پیپرا ور اعضاء پارلمان انگلستان

وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا

موعظت و ذکری

اس کارساز قدیر و حکیم کی ایک بہت بڑی رحمت یہ ہے، کہ اُس نے ظلوم و جہول انسان کی رہنمائی کیلئے خود اس میں ایک ایسی قوت ودیعت کی ہے جسکو وہ اگر استعمال کرے تو اس کاروبار عالم کا ایک ایک ذرہ اسکے لئے درس دہ

حقیقت و سبق آموز معرفت ہے۔

انسان حقیقت آگہی اور راز آشنائی کا تشنہ لب ہے، وہ اسکے لئے کتب و سفار کی ورق گردانی کرتا ہے، مگر اپنی سادہ لوحی سے یہ نہیں جانتا کہ جس شے کو وہ اپنے باہر ڈھونڈھتا ہے، وہ اسکے اندر ہے، وہ معرفت حقائق و اسرار کا طالب ہے۔ اس گوہر مقصود کو وہ کاغذ کے نقش و نگار میں ڈھونڈھتا ہے مگر نادان یہ نہیں جانتا، کہ یہ تو ان واقعات میں موجود ہے جو روزمرہ اسکی نظر سے گذرتے ہیں۔

اینہا ہمہ راز ست کہ معلوم عوام ست

اگر قرآن حکیم کو آپ پڑھتے ہیں تو آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ حق سبحانہ تعالے نے گونا گوں طریقوں سے تفکر و تدبر اور استبصار و اعتبار کی تاکید فرمائی ہے بعض آیات میں صاف صاف تفکروا و تدبروا فرمایا ہے، بعض میں بصیغہ ترجی و امید لعلکم تتفکرون ارشاد ہوا ہے، کسی جگہ افلا تتفکرون سے اظہار تعجب و حیرت کیا ہے، اور کسی مقام پر لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا، ولھم اذان لا یسمعون بھا، اولئک کالانعام بل ھم اضل سے عدم تفکر کی مذمت و نکوہش کی ہے۔

یہ عبارات شتّیٰ اور اسالیب متنوعہ صرف اسلئے اختیار کئے گئے ہیں کہ انسان قوت تفکر و اعتبار کی اہمیت کو محسوس کرے۔ اور اس دلیل راہ و مرشد طریقت کی پیروی کرے جو ہر وقت اور ہر حالت میں اسکے ساتھ رہتا ہے، اور شب و روز کے ۲۴۔ گھنٹوں میں ایک منٹ کیلئے بھی اس سے جدا نہیں ہوتا۔

لوگ ہمیشہ تفکر و اعتبار کے لئے کسی اہم اور عظیم الشان واقعات کے منتظر رہتے ہیں، گویا وہ اپنے قویٰ کو اس سے ارفع و اعلیٰ سمجھتے ہیں کہ وہ معمولی

چیزوں میں مشغول ہوں، یا معمولی واقعات کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ اس میں عبرت و بصیرت ملے۔

مگر یہ ایک دوسری نادانی ہے۔

جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں اس عالم کا ایک ایک ذرہ اپنے اندر عبرت و بصیرت کا ایک دفتر رکھتا ہے۔ اگر تم نہیں دیکھتے تو یہ تمھارا قصور ہے۔ بقول مرحوم غالب :-

محرم نہیں ہے تو ہی صدا ہائے راز کا
یہاں ورنہ جو حجاب ہے، پردہ ہے ساز کا

اگر ایک واقعہ معمولی ہے تو یہ نہ سمجھ لو کہ اس میں تمھارے لئے عبرت آموزی کا سامان نہیں۔ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ خدائے تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و ارشاد کے لئے جن چیزوں کو تمثیلاً ذکر فرمایا ہے، ان میں مچھر، مکھی اور اونٹ بھی ہیں؟

عبرت و بصیرت اگر چاہتے ہو تو یہ علو و ترفع کیوں؟ روشنی کے طالب ہو تو جہاں ملے لو، یہ نہ دیکھو کہ چراغ شمع کافوری ہے یا مٹی کا دیا؟

پھر جواہر کی جگہ تو زمین کے نیچے ہی ہے۔ اور جس لعل شب تاب کو تم آج تاج شاہی میں چمکتے دیکھتے ہو کل ہی زمین کے نیچے سنگریزوں میں ملا تھا۔

زمیندار پریس کے واقعہ کو اگر صرف واقعے کی حیثیت سے دیکھئے تو وہ اس سے زیادہ کا مستحق نہیں کہ چند سطروں میں لکھ کے اسکے ساتھ معاصرانہ تاسف و ہمدردی کا اظہار کر دیا جائے لیکن اگر بصیرت کی آنکھوں سے دیکھئے تو وہ ہمارے ماضی و مستقبل کا آئینہ اور عبر و بصائر کا ایک دفتر ہے۔ جن میں سے بعض کی طرف گذشتہ نمبر میں اشارہ کر چکا ہوں، اور بعض کی طرف اس مضمون میں توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

بعض امور ایسے ہیں، جن کو میں بارہا کہہ چکا ہوں، مگر پھر کہتا ہوں اور اسوقت تک کہتا رہونگا جب تک زبان میں قوت نطق اور قلم میں قوت تحریر ہے۔ ممکن ہے کہ انکے اعادہ و تکرار میں آپ کو لطف نہ آئے، لیکن اگر آپ لذت جو اور جدت پسند ہیں تو میں مجبور نہیں کرتا کہ آپ سنیں۔

میں افسانہ گو نہیں کہ ہر بار نیا قصہ سناؤں، میں تو حق و صداقت کا داعی ہوں، جو ہمیشہ یکساں رہتے ہیں۔ اسکے علاوہ حق و صداقت کی دعوت تو لطف و لذت کیلئے نہیں، بلکہ اصلاح و ارشاد کے لئے ہے۔ پس اگر آپ اصلاح چاہتے ہیں تو آئیے اور اگر دوا تلخ ہے تو منہ نہ بنائیے کہ

دارو ے تلخ ہست دافع مرض

حق و صداقت کا ایک مسکت و قاطع معجزہ یہ ہے کہ وہ جب اپنی آواز بلند کرتا ہے تو وہ بے اعوان و انصار اور بے ساز و برگ ہوتا ہے۔ مگر زیادہ عرصہ نہیں گذرتا کہ باطل کی جماعت میں سے ایک گروہ کٹ کے انکے ساتھ ہوجاتا ہے، اور یہ گروہ بڑھتے بڑھتے اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ بالآخر حق کو اپنی ابتدائی بے نوائی و کس مپرسی کے باوجود فتح اور باطل کو اپنی ابتدائی سر و سامان اور کثرت سواد و جماعت کے باوجود شکست ہوتی ہے۔

بالفاظ دیگر اگر آپ حق کے داعی ہیں تو آپ کو اپنی کوششوں میں مصروف رہنا چاہیئے، اور ظلم و عدوان کی زور آزمائیوں سے مرعوب یا شکستہ دل نہونا چاہیئے، کیونکہ اگر حق آپ کے ساتھ ہے تو ناممکن ہے کہ دنیا آپ کے اعوان و انصار سے خالی ہو۔ وہ وقت ضرور آئے گا جب آپ کے گرد پرستاران حق کی فوج جمع ہوگی اور آپ کو ظلم و عدوان کے پنجہ سے نجات دلائینگے۔ اس خدائے توانا و قدیر کا وعدہ ہے کہ والعاقبة للمتقین۔

ہماری ایک عقل سوز بوالعجبی یہ ہے کہ ہمیں انگلستان کے زیر حکومت آئے ہوئے نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہوا مگر آج تک ہم اسکے طرز حکومت سے ناواقف ہیں۔

ہماری حق طلبی اور دادخواہی کا سدرۃ المنتہیٰ شملہ ہے۔ حالانکہ شملہ کو تو آسمان اوّل سمجھئے جہاں نفاذ کے لئے احکام اُترتے ہیں، ورنہ خود احکام کا مصدر تو اس بحر اعظم کے پار ہے۔

پھر جب آپ شانِ عبودیت کو ہاتھ سے دیتے ہیں اور رضا و تسلیم کو چھوڑ کے طلب و سوال کے میدان میں آتے ہیں۔ تو کیوں نہ آواز کو اس قدر بلند کیجئے کہ خود عرش تک پہنچے اور وساطت کی ترجمانی سے بے نیاز ہو جائے؟ آپ اس سے کیوں سوال کرتے ہیں جو آپ کو دینے کے لئے خود دوسرے کا محتاج ہے؟ اگر سوال کرنا ہے تو خود اس دوسرے سے کیوں نہ کیجئے۔

آپ مظلوم ہیں اور انصاف چاہتے ہیں، بسم اللہ فریاد کیجئے اگر یہاں آپکی فریاد رسی نہ ہوگی تو اپنی کوتہ نظری اور پست ہمتی سے یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ اُس سر زمین میں بھی نہ ہوگی جسے انگلستان کہتے ہیں اور جہاں حق اور مظلوم کے دستگیری معدوم نہیں۔

آپ جب تک آئینی حکومت کے ماتحت ہیں اُس وقت تک آپ کو فریاد رسی سے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ البتہ شرط یہ ہے کہ آپ کی صدائے فغاں سنج وداد خواہ اگر شملہ کی چوٹیوں سے ناکام واپس آئے تو سمندر کو عبور کر کے ایوان پارلیمنٹ میں غلغلہ انداز ہو۔

مسٹر ظفر علی خاں حادثۂ کانپور کے زمانہ میں لندن گئے تھے۔ ابھی تک وہیں مقیم ہیں۔ قیام کے جو نتائج زمیندار پریس کے حادثے کے بعد ظاہر ہوئے

ہیں ان میں ہمارے لئے بہت بڑی بصیرت و عبرت موجود ہے۔

زمیندار پریس کی ضبطی کے تار پہنچنے کے بعد انگلستان کے دو مشہور و مقتدر اخبار یعنی "ڈیلی نیوز اینڈ لیڈر" اور "مینچسٹر گارجین" کے نامہ نگار مسٹر ظفر علیخاں سے ملے، اور دونوں اخباروں نے اپنے اپنے کالموں میں اس واقعہ پر نوٹ لکھے۔

لیکن اس سے زیادہ اہم یہ واقعہ ہے کہ پارلیمنٹ کے ممبروں سے مسٹر سر جان ڈیلن، کیر ہارڈی، جوسیا ویجوڈ، ہربرٹ بروز (ایک مشہور سوشیالسٹ) اور فلپ سنوڈون نے خطوط کے ذریعے سے اظہار تاسف و ہمدردی کے علاوہ یہ وعدہ کیا ہے کہ اگر وہ پارلیمنٹ میں کوئی خدمت انجام دے سکتے ہیں تو وہ اسکے لئے تیار ہیں۔

آخر میں میں پھر کہتا ہوں کہ اس واقعہ کو سرسری نظر کے حوالے نہ کیجیے کہ اس میں ہمارے لئے عبرتوں اور بصیرتوں کا ایک دفتر موجود ہے، اور سعی و عمل کی صدائے دعوت آرہی ہے۔

شکستِ صلح

اِصْبِرُوا وَرَابِطُوا

الحمد للہ کہ حادثۂ "زمیندار" کے متعلق ہر طرف سے صدائیں اٹھ رہی ہیں متعدد مقامات میں جلسے منعقد ہو چکے ہیں، اور انکا سلسلہ برابر جاری ہے کلکتہ میں "پریس ایسوسی ایشن" کی طرف سے ہندو و مسلمانوں کا ایک عظیم الشان متحدہ جلسہ ٹون ہال میں منعقد ہونے والا ہے، جو اب تک منعقد ہو چکا ہوتا، اگر بعض موانع پیش نہ آگئے ہوتے۔ علی الخصوص کونسل کی شرکت کی وجہ سے

مسٹر سرنیدر ونا تھ بنرجی کی پیہم غیر موجودگی جو دربیان کے تمام ایام تعطیل میں پیش آتی رہی۔

غالباً اس جلسہ کے پریسیڈنٹ ہندوستان کے مشہور فاضل ڈاکٹر راش بہاری گھوش ہوں گے۔

اس سے بھی اہم تر اور اصلی کارروائی یعنی دوبارہ اجرا کی سعی بھی برابر جاری ہے، اور کارپردازان زمیندار کا ایک وفد دورہ کر رہا ہے۔ نواب وقار الملک بہادر قبلہ نے اس بارے میں جو تحریر شائع فرمائی ہے، اور اپنا قابل احترام چندہ پیش کیا ہے وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

لیکن وقت کا اصلی سوال یہیں تک پہنچکر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ وہ بدستور باقی ہے:-

بایں کہ کعبہ نمایاں شود زپا منشیں
کہ نیم گام جدائی ہزار فرسنگ ست

بہت سے لوگ ہیں جو اپنے ارد گرد طرح طرح کی مجبوریوں کا حصار پاتے ہیں اور اسلئے صاف صاف زبان میں اصلیت ظاہر نہیں کرتے یا نہیں کر سکتے مگر میرے لئے تو اس قسم کی کوئی مجبوری نہیں ہے؟ پھر میں کیوں خاموش رہوں؟ میرے عقیدے میں ضرورت اور وقت، جب حق کے ساتھ جمع ہو جائیں تو پھر خدا کے اس بنائے ہوئے سقفِ نیلگوں کے نیچے کوئی شے ایسی نہیں جو اعلان کے لئے "مجبوری" ہو سکے، اور اگر ہو تو وہ ہمارے حس کا قصور ہے۔ "اعلان حق" کے وجوب کا بطلان نہیں ہو سکتا۔

میں موجودہ حالت کو کبھی بھی ایسی تعبیرات باطلہ سے مخفی نہیں کر سکتا، جن سے اسکی اصلی حقیقت پر پردے پڑ جائیں۔ اگر تم کسی خون چکاں نعش

پر ایک ریشمی لحاف ڈال دوگے، تو کیا لوگ مان لینگے کہ مردہ لاش نہیں ہے، زندگی کی خواب نوشیں ہے؟

ہاں، جیسا کہ میں نے ہمیشہ کہا ہے، آج بھی کہتا ہوں۔

مسلمانان ہند آج اپنی زندگی کی سب سے بڑی مشکل منزل سے گذر رہے ہیں جہاں خطرے بہت اور کمین گاہیں قدم قدم پر ہیں۔ فرصت مفقود ہے اور مہلت نابود۔ بیداری غیر منقطع اور مستعدی پیہم چاہیئے۔ یہ ایک دائمی آزمایش کا مرحلہ ہے جہاں سکون ایک دم کیلئے بھی میسر نہیں۔ ایک آزمایش ختم نہوگی کہ دوسری آزمایش شروع ہو جائیگی۔ یہ جاں نثاری کی زندگی اور قربانی کی بستی ہے۔ یہاں زندگی اسی کیلئے ہے جسکا دل قربانی کے ہر سوال کا جواب دے اور جسکا ہاتھ بخشش و نثار سے کبھی بھی نہ تھکے۔ حتیٰ کہ لینے والے لیتے لیتے تھک جائیں پر دینے والوں کو لٹنے اور قربان ہونے سے سیری نہو!

سخت جانی تو نہ ہمت ہار یو ہنگام قتل!

دیکھنا ہے، زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

جنگ کی اصلی گھڑیاں وہی ہوتی ہیں جب مقابلہ شروع ہوتا ہے، اور درخت جب تک ابتدائی نشو و نما کے مرحلے میں ہے، اسی وقت تک زیادہ دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کی کشاکش حیات کا معرکہ شروع ہوا ہے، اور بیداری کے بیج نے ابھی صرف چند نازک شاخیں ہی پیدا کی ہیں، پس اگر آج اسکی حفاظت نہ کی گئی جبکہ وہ پیدا ہوا ہے، تو کیا کل کو اُس زمین کی حفاظت کروگے جہاں ایک پامال شدہ پودے کے آثار ہلاکت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا؟ فاتقوا اللہ یا اولی الالباب!

میں نے ابھی کہا کہ یہ آزمایشوں کی منزل اور قربانیوں کی زندگی ہے، اور ایسا

ہوگا کہ ایک آزمایش ختم نہوئی ہوگی کہ دوسری شروع ہو جائیگی۔ اب میں زیادہ کھول کر کہتا ہوں کہ گری ہوئی قوموں کے اُٹھنے کا اور سونے والوں کے ہشیار ہونے کا اصلی راز اسی میں ہے۔ وہ جب اُٹھتے ہیں تو سُلانے والے مثل اُس خونخوار شکاری کے جو کہ اپنے صید گرفتار کو آزاد ہوتا دیکھے، پوری قوت اور کامل تیزی سے تعاقب کرتے ہیں، اور پھر یکے بعد دیگرے گرفتاری کی ہر تدبیر عمل میں لاتے ہیں۔

ایسی حالت میں آزادی اُسی کو نصیب ہوتی ہے جو ہمت نہ ہارے اور برابر دوڑتا ہی رہے، کیونکہ اگر تھک کر گر پڑیگا تو پھر شکاری کے پنجہ سے رہا نہو سکے گا۔ اُسے قدم قدم پر دام ملینگے اور اُسکی ہر جست کے ساتھ ایک کمند بھی پھینکی جائے گی۔ اگر کہیں بھی اُسکا پانوں اُلجھا اور ایک لمحہ کیلئے بھی اُسکی رفتار رُکی، تو پھر اُسے کبھی بھی آزادی نصیب نہوگی، کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو شکار ایک مرتبہ چھوٹ کر پھر پھنستا ہے، اُسکے ہاتھ پانوں زیادہ مضبوط رسیوں سے باندھے جاتے ہیں۔ اُس نے خود بیدار ہو کر شکاری کو بھی بیدار کر دیا ہے:۔ وتلک الامثال نضربھا للناس لعلھم یتفکرون!

پس اگر آزمائشیں متواتر ہیں، اور مہلت و فرصت مفقود ہے تو اس سے گھبرانا عبث ہے، کیونکہ جس منزل سے گذر رہے ہو، وہاں ایسا ہونا لکھدیا گیا ہے۔ یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ قومی زندگی اور حیات سیاسی کی تعمیر ہے۔ یہاں کام مسلسل اور محنت لگاتار ہونی چاہیئے۔ ایک آزمایش کا جواب ابھی نہیں دے چکوگے کہ ساتھ ہی دوسری صدائے جاں طلبی سُنائی دے گی۔ یہاں صرف راحت کے دشمن اور فرصت کے فراموش کار ہی قدم رکھ سکتے ہیں جس کی ہمت دو چار آزمایشوں ہی سے تھک جانے والی ہو اُس کی آزادی کا صرف

ایک ہی علاج ہے۔ یعنی راہ سے ہٹ جائے تا اوروں کیلئے ٹھوکر کا پتھر نہ بنے

گریزد از صفِ ما ہر کہ مردِ غوغا نیست

کسیکہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست

تم سوتے سوتے اُٹھے تو دیکھو! تمھارے لئے بھی پیہم آزمائشیں شروع ہوگئیں سب سے پہلے طرابلس کا واقعہ آیا۔ پھر جنگ بلقان شروع ہوگئی۔ اسکے بعد کانپور کا ورق خونیں اُلٹا اور مسجد مقدس مچھلی بازار کا حادثہ پیش آیا۔ اس میں فی الحقیقت مدعیان حیات کے لئے بڑی ہی آزمائش تھی۔ تم ان سب سے کسی نہ کسی طرح گذر گئے۔ اب تم نے چاہا تھا کہ کچھ دیر کیلئے سستالیں:۔

یعنی آگے بڑھینگے دم لے کر

لیکن آزمائش کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوگیا۔ شاید اس موسم میں تیز و تند ہوائیں زیادہ چلیں اور آندھیوں اور طوفانوں کا بھی بہت زیادہ زور ہو۔ اس سلسلے کی سب سے پہلی صدائے ہمت آزما "زمیندار پریس" لاہور کا واقعہ ہے

فھل من مجیب؟

"زمیندار پریس" کے واقعہ کو اُس کی اصلی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔ وہ نہ تو زمیندار نامی ایک اخبار کا مسئلہ ہے۔ اور نہ ہی کسی فرد واحد کا۔ بلکہ اصولاً قانون کے بیجا استعمال اور جبر و تشدد کے ذریعہ موجودہ تحریک کے مقابلہ کا سوال ہے۔ فرض کرو کہ یہ سلوک زمیندار کے سوا کسی دوسرے اخبار کے ساتھ کیا جاتا، جب بھی مسئلہ کی صورت بعینہ وہی ہوتی جو اب ہے۔ البتہ زمیندار کی مخصوص حالت نے واقعہ کو زیادہ اہم اور موثر بنا دیا ہے۔

میں یہ نہیں جانتا کہ کل کو کیا ہوگا مگر بتلا سکتا ہوں کہ کام کرنے والوں کے لئے ترتیب عمل کیا ہونی چاہئے؟

(۱) یہ مسئلہ دراصل پریس ایکٹ کا مسئلہ ہے اور جب تک حاتم طائی کے قصہ کا دیو زندہ ہے، اُسوقت تک جنگل کے ہر مسافر کو ہلاکت کے لئے آمادہ رہنا پڑیگا۔ پس پریس ایکٹ کے متعلق آخری مرتبہ ایک متحدہ جدوجہد کی ضرورت ہے۔ یہاں بھی اور انگلستان میں بھی جلسے ہونے چاہئیں۔ قانونی پہلو سے بکثرت بحث کرنی چاہئے۔ یکے بعد دیگرے باوجود ناکامی، کونسل میں باشکال مختلفہ اسی سوال کو چھیڑتے رہنا چاہئے۔ اورآیندہ موسم قابل و کارکن آدمیوں کو انگلستان میں بسر کرنا چاہئے۔

(۲) زمیندار کو بہرحال بہت جلد دوبارہ جاری کرنا چاہئے، خواہ کل کو وہ پھر بند ہی کیوں نہ کردیا جائے۔ زندہ آدمی ٹھوکر کھاکر گرتا ہے مگر پھر اٹھتا ہے، دس مرتبہ گریگا تو دس مرتبہ اُٹھیگا بھی۔ لیکن کسی لاش کو اُٹھاکر کھڑا بھی کردو، جب بھی کھڑی نہ رہ سکے گی۔

قومی جدوجہد حیات کی بعینہٖ یہی مثال ہے۔

(۳) بہتر تھا کہ اس کے لئے چندہ نہوتا بلکہ ایک کمپنی قائم کی جاتی، لیکن چندہ ہورہا ہے اور اُس کی تکمیل میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے، تاکہ جہاں تک جلد ہوسکے، زمیندار جاری ہوجائے۔ یہ زمیندار نامی ایک اخبار کا سوال نہیں ہے۔ بلکہ اُس کا کہ مسلمان جو چاہتے ہیں اُس کے لئے کچھ نہ کچھ انتظام کربھی سکتے ہیں یا نہیں؟

امر اول کے متعلق کوششیں ہورہی ہیں مگر اصل کام باقی ہے۔ میں نے پچھلے دنوں پریس ایسوسی ایشن کی تحریک کی تھی۔ وہ قائم بھی ہوگئی لیکن اس وقت تک اپنی مجوزہ کانفرنس منعقد نہ کرسکی۔ اب معلوم ہوا ہے کہ پوری قوت اور جمع اسباب کے ساتھ کام شروع ہونے والا ہے۔ افسوس کہ میں تعدا

اموروا شغال کا مقابلہ کرتے کرتے تھک گیا ہوں اور اب صرف ایک ہی کا ہو کر رہ سکتا ہوں
امر دوم یعنی اجراء زمیندار کیلئے بھی کوشش ہو رہی ہے۔ لاہور میں جو نیا
ڈکلیریشن دیا گیا تھا۔ اسپر دو ہزار روپیہ کی ضمانت طلب ہوئی ہے۔
دہلی میں ایک جلسہ ہوا اور پانچہزار تک زراعانت کی فراہمی کا وعدہ کیا جا رہا ہے
اس وقت دو قوتیں باہم دگر مقابل ہیں۔ ایک زمیندار کو بند کر چکی ہے، دوسری
دوبارہ جاری کرنا چاہتی ہے۔ پہلی کے پاس قوت ہے، دوسری کے پاس حق۔
دیکھنا یہ ہے کہ دونوں میں کون کامیاب ہوتا ہے؟ واللہ یؤید بنصرہ من
یشاء۔ ان فی ذٰلک لآیات لقوم یؤمنون۔

عشرۂ محرم الحرام

شمع ہا بردہ ام از صدق بخاکِ شہدا
تا دل و دیدۂ خونبا نہ فشانم وادند!

آئیے، سب سے پہلے آج ایک بھولی ہوئی صحبت ماتم کو پھر تازہ کریں۔ کتنے دن گذر گئے کہ راہ و رسم ماتم و شیون سے نا آشنا ہیں۔ نہ صدائے ماتم کی فغاں سنجی ہے اور نہ چشم خونبار کی اشک افشانی۔ کاروبار غم کی رونق افسردہ ہو چلی ہے اور روز بازار درد کی چہل پہل مدت سے موقوف ہے:۔

نہ داغ تازہ می خارد، نہ زخم کہنہ می کارد!
بدہ یارب دلے کیں صورت بیجاں نمی خواہم

طرابلس کے خون آلود ریگستان کو اگر لوگوں نے بھلا دیا، مشہد مقدس اور تبریز

کا قصۂ الم اگر ذہنوں سے محو ہوگیا، مقدونیا اور البانیا کے تازہ ترین افسانہ ہائے خونیں اگر فکروں سے فراموش ہوگئے، تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ارباب درد و غم کے لئے ایک ایسی داستانِ الم صدیوں سے موجود ہے، جو کبھی بھلائی نہیں جا سکتی، اور اگر لوگ اُسے بھلا بھی دیں تو بھی ہر سال چند ایسے ماتم آلود دن تازگی زخم کہن کے لئے آموجود ہوتے ہیں جو از سرِ نو ایک ہزار ڈھائی سو برس پیشتر کے ایک حادثۂ عظیمہ کی یاد پھر سے تازہ کر دیتے ہیں۔

اب کے کچھ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ یہ اشاعت ٹھیک عشرۂ محرم الحرام کے دن واقع ہو رہی ہے۔ پس میرا اشارہ حادثۂ ہائلہ کبریٰ یعنی شہادت حضرت سید الشہداء علیہ و علی اجداده الصلوٰۃ والسلام کی طرف ہے۔ عظم اللہ اجورنا بمصائبنا!

وقت ست کہ در پیچ و خم نوحہ سرائی — سوز و نفس نوحہ گر از تلخ نوائی
وقت ست کہ آں پردگیاں کز رہِ تعظیم — بر در گہ شاں کردہ فلک ناصیہ سائی
از خیمۂ آتش زدہ عریاں بدر آیند — چوں شعلہ دخاں بر سر شاں کردہ ردائی
جانہا ہمہ فرسودۂ تشویش اسیری — دلہا ہمہ خوں گشتۂ اندوہِ رہائی
تنہا ست حسین ابن علی در صفِ اعدا — اکبر تو کجا رفتی و عباس کجائی

سچ یہ ہے کہ جن مُردہ دلوں کو زندگی کے لئے سوز و تپش کی ضرورت ہو، جن ارباب درد کو، روح کی راحت کے لئے جسم کے ماتم کی تلاش ہو، جن کی زبانیں آہ و فغاں کو محبوب، اور جن کی آنکھیں خونبابہ فشانی کو اپنا مطلوب و مقصود سمجھتی ہوں، ان کی صحبت ماتم و الم کی رونق کے لئے یہی افسانہ اتنا کچھ سامانِ غم اپنے اندر رکھتا ہے کہ اگر خون کے بڑے بڑے سیلاب سمندروں کی روانی سے بہ جائیں، اور بے شمار لاشوں کی تڑپ سے زمین کے بڑے بڑے قطعات یکسر جنبش میں

آجائیں، جب بھی ان کی ندا، حال اُس الہام سرائی سے قاصر رہیگی، جو اسکے ایک ایک لفظ کے اندر سے توصیہ فرمائے عبرت و بصیرت ہے۔

لیکن آہ! کتنے دل ہیں جنھوں نے اس واقعہ کو اس کے حقیقی بصائر و معارف کے اندر دیکھا ہے؟ اور کتنی آنکھیں ہیں، جو حسین ابن علی شہید پر گریۂ و بکا کرتے ہوئے اُس اسوۂ حسنہ کو بھی سامنے رکھتے ہیں، جو اس حادثۂ عظمیٰ کے اندر موجود ہے:

فی الحقیقت، حق و صداقت، آزادی و حریت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ایک عظیم الشان انسانی قربانی تھی جو صرف اسلئے ہوئی تاکہ پیروان اسلام کے لئے ایک اسوۂ حسنہ پیش کرے، اور اس طرح جہاد حق و عدالت اور اُسکے ثبات و استقامت کی ہمیشہ کے لئے ایک کامل ترین مثال قائم کر دے۔ پس جو بے خبر ہیں اُن کو رونا چاہیے۔ ان لم تبکوا فتباکوا! اور جو روتے ہیں اُن کو صرف رونے ہی پر اکتفا نہ کرنا چاہیے۔ ان کے سامنے سید الشہدا نے اپنی قربانی کا ایک اسوۂ حسنہ پیش کر دیا ہے، اور کسی روح کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ محبت حسین کی مدعی ہو، جب تک کہ اُسوۂ حسینی کی متابعت کا اپنے اعمال کے اندر سے ثبوت نہ دے۔

ضرورت تھی کہ ایک مبسوط مقالہ افتتاحیہ "اسوۂ حضرت سید الشہدا" کے عنوان سے کئی نمبروں میں لکھا جاتا اور نہایت تفصیل کے ساتھ اس حادثۂ ہائلہ شہادت پر نظر ڈالی جاتی۔ سب سے پہلے اس کی تاریخی حیثیت نمایاں کیجاتی اور اسکے بعد اُن تمام مواعظ و نتائج عظیمہ کو ایک ایک کر کے بیان کیا جاتا جو اس ذبح عظیم کے اندر پوشیدہ ہیں، اور جن کی لسانِ حیات آج بھی اسی طرح صدا دے رہی ہے، جس طرح کنار فرات کی، ریتلی سرزمین پر اب سے تیرہ سو برس پہلے زخم و خون کے اندر سے وعظ فرمائے حقیقت و صداقت تھی!!

دنیا میں ہر چیز مر جاتی ہے کہ فانی ہے، مگر خون شہادت کے اُن قطروں کے لئے جو اپنے اندر حیات الٰہیہ کی روح رکھتے ہیں، کبھی فنا نہیں:۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را　　　هر زماں از غیب جانے دیگر است

لیکن افسوس کہ شرح وبسط کے لئے اس وقت مستعد نہیں۔ صرف چند مجمل اشارات پر اکتفا کروں گا۔

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

(۱) سب سے پہلا نمونہ جو یہ حادثۂ عظیمہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے، دعوۃ الی الحق، اور حق وحریت کی راہ میں اپنے تئیں قربان کرنا ہے۔

بنی امیہ کی حکومت ایک غیر شرعی حکومت تھی۔ کوئی حکومت جسکی بنیاد جبر و شخصیت پر ہو، کبھی بھی اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی۔ انھوں نے اسلام کی روح حریت وجمہوریت کو غارت کیا۔ اور مشورۂ واجماع امت کی جگہ محض غلبۂ جابرانہ اور مکر وخدع پر اپنی شخصی حکومت کی بنیاد رکھی۔ ان کا نظام حکومت شریعت الٰہیہ نہ تھا، بلکہ محض اغراض نفسانیہ و مقاصد سیاسیہ، ایسی حالت میں ضرور تھا کہ ظلم وجبر کے مقابلہ کی ایک مثال قائم کی جاتی اور حق وحریت کی راہ میں جہاد کیا جاتا۔

حضرت سید الشہدا نے اپنی قربانی کی مثال قائم کر کے مظالم بنی امیہ کے خلاف جہاد حق کی بنیاد رکھی۔ اور جس حکومت کی بنیاد ظلم وجبر پر تھی، اسکی اطاعت و وفاداری سے انکار کر دیا۔

پس یہ نمونہ تعلیم کرتا ہے کہ ہر ظالمانہ و جابرانہ حکومت کا علانیہ مقابلہ کرو اور کسی ایسی حکومت سے اطاعت و وفاداری کی بیعت نہ کرو جو خدا کی بخشی ہوئی انسانی حریت وحقوق کی غارت گر ہو، اور جسکے احکام مستبدہ

وجائرہ کی بنیاد صداقت و عدالت کی جگہ جبر و ظلم پر ہو۔

(۲) مقابلہ کے لئے یہ ضرور نہیں کہ تمھارے پاس قوت وشوکت مادی کا وہ تمام ساز و سامان بھی موجود ہو جو ظالموں کے پاس ہے۔ کیونکہ حسین ابن علی کے ساتھ چند ضعفاؤ مساکین کی جمعیت قلیلہ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حق وصداقت کی راہ نتائج فکر سے بے پروا ہے۔ نتائج کا مرتب کرنا تمھارا کام نہیں۔ یہ اُس قوتِ قاہرۂ عادلۂ الٰہیہ کا کام ہے، جو حق کو باوجود ضعف و فقدان انصار کے کامیاب و فتحمند کرتی، اور ظلم کو باوجود جمعیت و عظمت دنیوی کے نامراد و نگونسار کرتی ہے وکم من فئۃ قلیلۃ، غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ۔

ایسے موقعوں پر ہمیشہ مصلحت اندیشیوں کا خیال دامنگیر ہوتا ہے جو فی نفسہٖ اگرچہ عقل و دانائی کا ایک فرشتہ ہے لیکن کبھی کبھی شیطانِ رجیم بھی اسکے بھیس میں آکر کام کرنے لگتا ہے۔ نفس خادع حیلہ تراشیاں کرتا ہے کہ صرف اپنے تئیں کٹوا دینے اور چند انسانوں کا خون بہا دینے سے کیا حاصل؟ توپ وتفنگ اور تخت وسلطنت، کا مقابلہ کس نے کیا ہے کہ ہم کریں؟

آخری سوال کا جواب میں دیتا ہوں۔ تاریخ عالم کی صدہا امثال مقدسہ ومحترمۂ جہاد سے قطع نظر، تمھارے سامنے خود مظلوم کربلا کی مثال موجود ہے۔ تم کہتے ہو کہ چند انسانوں نے حکومتوں کی قوتوں اور ساز و سامان کا مقابلہ کب کیا ہے کہ کبھی بھی کیا جائے؟ میں کہتا ہوں کہ حسین ابن علی نے صرف بہتر ۷۲ یا باسٹھ ۶۲ بھوکے پیاسے انسانوں کے ساتھ اُس عظیم الشان حکومت قاہر وجابر کا مقابلہ کیا، جسکے حدود سلطنت ملتان اور سرحد فرانس تک پھیلنے والے تھے۔ اور گو یہ سچ ہے کہ اُس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دل کے ٹکڑوں کو بھوک اور پیاس کی شدت سے تڑپتے دیکھا، اور پھر ایک ایک کرکے اُن میں سے ہر وجود مقدس

خاک و خون میں تڑپا اور جان بحق تسلیم ہوا، اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ دشمنوں سے نہ تو پینے کے لئے پانی چھین سکا، اور نہ زندہ رہنے کے لئے اپنی غذا حاصل کر سکا اور اس میں بھی شک نہیں کہ بالآخر سر سے لے کر پیر تک وہ زخموں سے چور چور ہوا اور اس خلعت شہادت لالہ گوں سے آراستہ ہو کر ظیار رہوا، تا اُس کو شہ بہا ئے عجائب کے حریم وصال میں پہنچے، جو دوستوں کو خاک و خون میں تڑپاتا، اور دشمنوں کو مہلت دیتا ہے :۔

اردیا وصالہ، دیریا قتلی!

تاہم فتح اُس کی تھی، اور فیروزمندی و کامرانی کا تاج صرف اسی کے زخم خوردہ سر پر رکھا جا چکا تھا۔ وہ تڑپا اور خاک و خون میں لوٹا، پر اپنے اس خون کے ایک ایک قطرہ سے جو عالم اضطراب میں اسکے زخموں سے ریگ و سنگ پر بہتا تھا، انقلاب و تغیرات کے وہ سیلابہائے آتشیں پیدا کر دیے جن کو نہ تو مسلم بن عقبہ کی خون آشامی روک سکی، نہ حجاج کی بے امان خونخواری، اور نہ عبد الملک کی تدبیر و سیاست۔ وہ بڑھتے اور بھڑکتے ہی رہے۔ ظلم و جبر کا پانی تیل بنکر انکے شعلوں کی پرورش کرتا رہا، اور حکومت و تسلط کا غرور ہوا بنکر ان کی ایک ایک چنگاری کو آتشکدۂ سوزاں بناتا رہا۔ یہاں تک کہ آخری وقت آگیا، اور جو کچھ ۶۱ھ میں کربلا کے اندر ہوا تھا، وہ سب کچھ ۱۳۲ھ میں نہ صرف دمشق بلکہ تمام عالم اسلامی کے اندر ہوا۔ صاحبان تاج و تخت خاک و خون میں تڑپے، انکی لاشیں گھوڑوں کے سموں سے پامال کی گئیں، فتح مندوں نے قبریں تک اکھاڑ ڈالیں، اور مردوں کی ہڈیوں تک کو ذلت و حقارت سے محفوظ نہ چھوڑا۔ اور اس طرح : فسیعلم الذین ظلموا، ای منقلب ینقلبون! کا پورا پورا ظہور ہوا۔ پھر کیا یہ سب کچھ جو ہوا، وہ محض ابراہیم عباسی کی دعوت اور ابومسلم

خراسانی کی خفیہ ریشہ دوانیوں ہی کا نتیجہ تھا؟ کیا یہ اُسی خون کا اعجاز نہ تھا جو فرات کے کنارے بہایا گیا تھا؟ پھر یہ فتحمندی تو بہ حسب ظاہر ہے جسکے نتائج کے لئے ایک صدی کا انتظار کرنا پڑا، ورنہ فی الحقیقت مظلومیت کا خون جس وقت بہتا ہے، اُسی وقت اپنی معنوی فتحمندی حاصل کر لیتا ہے۔

(۳) بہرحال یہ تو حق و صداقت کی قربانیوں کے نتائج ہیں جو کبھی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ لیکن حضرت سید الشہدا کا اُسوہ حسنہ بتلاتا ہے کہ تم اُن نتائج کی ذرا بھی پروانہ کرو۔ اگر ظلم اور جابرانہ حکومت کا وجود ہے تو اس کے لئے حق کی قربانی ناگزیر ہے اور اُسے ہونا ہی چاہئے۔ تعداد کی قلت و کثرت یا سامان و وسائل کا فقدان اُسپر مؤثر نہیں ہو سکتا۔ اور ظلم کا صاحب شوکت و عظمت ہونا اسکے لئے کوئی آلٰہی سند نہیں ہے کہ اُس کی اطاعت ہی کر لی جائے۔ ظلم خواہ ضعیف ہو خواہ قوی، ہر حال میں اُس کا مقابلہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ ظلم ہے۔ اور حق اور صداقت ہر حال میں یکساں اور غیر متزلزل ہے۔

(۴) حق و عدالت کی رفاقت کی آزمائشیں زہرہ گداز اور شکیب ربا ہیں۔ قدم قدم پر حفظ جان و ناموس اور محبت فرزند و عیال کے کانٹے دامن کھینچتے ہیں لیکن یہ اُسوۂ حسنہ مؤمنین مخلصین کو درس دیتا ہے کہ اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی طلب و ہمت کو اچھی طرح آزمالیں۔ نہ کہ چند قدموں کے بعد ہی ٹھوکر لگے:۔

جرم را ایں جا عقوبت ہست و استغفار نیست!

اس قتیل جادۂ حق و صداقت کے چاروں طرف جو کچھ تھا، اس کا اعادہ ضروری نہیں کہ سب کو معلوم ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی آزمائشوں کے متعدد درجے بیان کئے ہیں:۔

ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال و الانفس والثمرات، وبشر الصابرین الذین اذا اصابتهم مصیبة، قالوا:- انا للہ وانا الیہ راجعون:- (۲ - ۱۵۲)	اللہ تعالیٰ تمھیں آزمائشوں میں ڈالیگا - وہ حالت خوف وہراس، بھوک، اور پیاس، نقصان مال وجان اور ہلاکت اولاد واقارب میں مبتلا کرکے، تمھارے صبر واستقامت کو آزمائیگا، پس اللہ کی طرف سے بشارت ہے اُن کیلئے، جن کے ثبات واستقامت کا یہ حال ہے کہ جب مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں تو اپنے تمام

معاملات کو یہ کہہ کر اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں کہ:- انا للہ وانا الیہ راجعون ۃ

خوف وہراس، بھوک اور پیاس، نقصان اموال ومتاع، قتل نفوس اولاد یہی چیزیں انسان کیلئے اس دنیا میں انتہائی مصیبتیں ہوسکتی ہیں - اسلئے انہی چیزوں کو راہ الٰہی کے لئے آزمایش قرار دیا گیا -

لیکن مظلوم کربلا کے سامنے یہ تمام مرحلے ایک ایک کرکے موجود تھے، وہ ان تمام مصائب سے ایک لمحہ کے اندر نجات پاکر آرام وراحت اور شوکت وعظمت حاصل کرسکتا تھا اگر حکومت ظالمہ کی وفاداری واطاعت کا عہد کرلیتا اور حق وصداقت سے روگردانی کے لئے مصلحت وقت کی تاویل پر عمل کرتا پر اُس نے خدا کی مرضی کو اپنے نفس کی مرضی پر ترجیح دی، اور حق کا عشق، زندگی اور زندگی کی محبتوں پر غالب آگیا - اُس نے اپنا سر دیدیا کہ انسان کے پاس حق کے لئے یہی ایک آخری متاع ہے، پر اطاعت واقرار وفاداری کا ہاتھ نہ دیا جو صرف حق وعدالت ہی کے آگے بڑھ سکتا تھا:- ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ، واللہ رؤف بالعباد -

(۵) سب سے بڑا اسوۂ حسنہ کہ اس حادثۂ عظیمہ کی لسان حال اُسکی ترجمانی کرتی ہے، راہِ مصائب وجہادِ حق میں صبر واستقامت اور عزم وثبات ہے،

کہا۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ، ثم استقاموا۔ دوسری جگہ کہا۔ فاستقم کما امرت! وللہ در من قال :۔

روئے کشادہ باید و پیشانی فراخ آنجا کہ لطمہ ہائے ید اللہ می زنند

فی الحقیقت اس شہادۃ عظیمہ کی سب سے بڑی مزیت و خصوصیت یہ ہے کہ اپنے تمام عزیز و اقارب، اہل و عیال، اور فرزند و احباب کے ساتھ وحشت غربت و مصائب میں محصور اعدا ہونا، اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے جگر گوشوں کو شدت عطش و جوع سے آہ و فغاں کرتے ہوئے دیکھنا، پھر اُن میں سے ایک ایک کی خون آلود لاش کو اپنے ہاتھ سے اُٹھانا، حتی کہ اپنے طفل شیر خوار کو بھی تیر ظلم و بربریت سے نخچیر پانا، مگر بااین ہمہ راہ عشق صداقت میں جو پیمان صبر و استقامت باندھا تھا، اسکا ایک لمحہ بلکہ ایک عشر دقیقہ کیلئے بھی متزلزل نہونا اور حق کی راہ میں جسقدر مصائب و اندوہ پیش آئیں، سب کو شکر و منت کے ساتھ برداشت کرنا کہ :۔ رضینا بقضاء اللہ وصبرنا علی بلائہ :۔

پیکان تو ما بجان خریدار من مرہم دیگراں نخواہم

دوست کے ہاتھ سے جام زہر بھی ملتا ہے تو تشنہ کامان زلال محبت اُسے غیروں کے جام شہد و شکر پر ترجیح دیتے ہیں :۔

اے جفا ہائے تو خوشتر از وفائے دیگراں

آج بھی اگر گوش حقیقت نیوش باز ہو تو خاک کربلا کا ایک ایک ذرہ توصیہ فرمائے صبر و استقامت ہے :۔

شدیم خاک و لیکن بوئے تربت ما تواں شناخت کزیں خاک مردمی خیزد

افسوس کہ تفصیل مطالب کا ارادہ نہیں اور وقت و گنجایش مقتضی اجمال و ایجاز۔ اگر اُس صبر و استقامت کے اُسوۂ حسنہ کو دیکھنا چاہتے ہو تو خدا را

استفادہ تاریخ کی طرف توجہ کرو صرف ایک روایت یہاں لکھوں گا تاکہ جو لوگ خاندان نبوت اور عترت حضرت رسالت کی محبت کا دعوی رکھتے ہیں، وہ غور کریں کہ ادعائے محبت بغیر متابعت بیکار ہے:۔

ان المحب لمن یحب یطیع

حضرت امام علی بن الحسین الشہیر بہ زین العابدین کہتے ہیں:۔

"انی لجالس فی العشیۃ التی قتل ابی الحسین فی صبیحتہا و عمتی زینب تمرضنی اذ دخل وھو یقول:۔

یا دھر اف لک من خلیل کم لک فی الاشراق والاصیل
من طالب وصاحب قتیل والدھر لا یقنع بالبدیل
وانما الامر الی الجلیل وکل حی سالک السبیل

ففہمت ما قال، وعرفت ما اراد، وخنقتنی عبرتی ورددت دمعی، وعرفت ان البلاء قد نزل بنا۔ واما عمتی زینب فانہا لما سمعت ما سمعت والنساء من شانھن الرقۃ والجزع، فلم تملک ان وثبت تجر ثوبہا حاسرۃ وھی تقول واثکلاہ! لیت الموت اعدمنی الحیاۃ، الیوم ماتت فاطمۃ وعلی والحسن بن علی اخی، فنظر الیہا فرد غصتہ ثم قال:۔ یا اختی! اتقی اللہ! فان الموت نازل لامحالہ فلطمت وجہہا، وشقت جیبہا وخرت مغشیاً علیہا، وصاحت واویلاہ! واثکلاہ!! فتقدم الیہا فصب علی وجہہا الماء، وقال لہا یا اختاہ! تعزی بعزاء اللہ، **فان لی ولکل مسلم اسوۃ برسول اللہ** صلی اللہ علیہ وسلم (تاریخ یعقوبی۔ مطبوعہ لیڈن جلد دوم صفحہ ۲۹)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام علی بن حسین زین العابدین علیہ السلام کہتے ہیں:۔

"جس رات کی صبح میدان شہادت گرم ہونے والا تھا عین اسی شب کا

واقعہ ہے کہ میں بیمار پڑا تھا۔ میری پھپھی زینب میری تیمار داری میں مصروف تھیں۔ اتنے میں حضرت امام حسین داخل ہوئے۔ وہ چند اشعار پڑھ رہے تھے جنھیں سُنکر میں سمجھ گیا کہ ان کا ارادہ کیا ہے؟ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ ہم پر ابتلاء الٰہی نازل ہو گئی ہے اور اب اُس سے چارہ نہیں

مگر حضرت زینب ضبط نہ کر سکیں کیونکہ قدرتی طور پر عورتیں زیادہ رقیق القلب ہوتی ہیں۔ وہ ماتم کناں چلا اٹھیں کہ واحسرتا وا مصیبتا الیوم الوقت فاطمہ وعلی والحسن بن علی! لیکن جب حضرت حسین نے یہ حالت دیکھی تو انکی جانب متوجہ ہوئے اور کہا کہ اے بہن! یہ کیا بے صبری اور کیسا جزع و فزع ہے؟ اللہ سے ڈر کہ موت یقیناً ایک آنے والی چیز ہے اور اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

لیکن حضرت زینب شدۃ غم و حزن سے مضطر تھیں۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ آنے والی صبح کن واقعات خونیں کے ساتھ طلوع ہو گی۔ فرط غم میں انھوں نے اپنا چہرہ پیٹ لیا گریبان پھاڑ ڈالا اور رو دیا! واحسرتا! پکارتی ہوئی بیہوش اپنے بھائی پر گر پڑیں حضرت حسین نے یہ حالت دیکھکر انکے مُنہ پر پانی ڈالا اور جب ہوش میں آئیں تو فرمایا۔ اے بہن! یہ کیسا غم و حزن ہے جو تم کر رہی ہو؟ تمھیں چاہیئے کہ اللہ کے حکم و فرمان کے مطابق جو طریق عزا و حزن و غم ہے، اُسے اختیار کرو، کیونکہ میرے لئے اور ہر ایک مسلم کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور انکے اعمال و افعال میں اتباع اور پیروی کے لئے بہترین نمونہ ہے!!

اللہ اکبر! خاندان نبوت کے اس مرتبۂ رفیع اور اس درجۂ عظیم کو دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کس طرح ان کے سامنے تھا، اور "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" کے حکم کے آگے کس طرح انھوں نے اپنے جذبات اور خواہشوں کو قربان کر دیا تھا؟ ایسے سخت اور زہرہ گداز موقعہ پر بھی اپنی بہن کا جزع

وفزع انھیں گوارا نہوا، اور بجائے عام الفاظ صبر وتشفی کہنے کے فرمایا تو یہ فرمایا کہ

"قال لی ولکل مسلم اسوۃ فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔

پھر آج کتنے مدعیان محبت اہل بیت کرام ہیں، جو اس اسوۂ حسنہ کے اتباع کا اپنے اعمال سے ثبوت دے سکتے ہیں؟

خلافت کی کامیابی اور ہندوستان کی آزادی

کے لئے حسب ذیل کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے جلد طلب کیجئے ورنہ گورنمنٹ کے دستِ تشدد سے اور کتابوں کی طرح سے ان کتابوں سے بھی آپ محروم رہجاویں گے۔

تصانیف مولانا محمد علی صاحب

تقاریر محمد علی صاحب حصہ اول	۸ر
" حصہ دوم	۸ر
خطبہ مولانا محمد علی صاحب	۵ر
تقریر مدراس	۳ر
جذبات جوہر	۱۲ر
بیان کراچی	۴ر
خطوط جیل علی برادران	۲ر

مضامین لالہ لاجپت رائے جی

مجموعہ مضامین لالہ لاجپت رائے حصہ اول	۸ر
" " حصہ دوم (زیر طبع)	۸ر
غلامی کی علامتیں اور غلامی کے نتائج	۳ر
قومی تعلیم	۴ر
پالٹکس	۴ر

تصانیف مولانا عبد الماجد صاحب

درس خلافت	۸ر
الاظہار	۸ر
المکتوب	۸ر

متفرق اصحاب

تقاریر ظفر علی خاں	۹ر
اسیر مالٹا کا پیغام	۹ر
دنیائے اسلام اور خلافت	۴ر
سمرنا کی خونی داستان	۳ر
مقدمہ کراچی مکمل	عہ ۲ر
خطبہ مولانا آزاد سبحانی	۶ر
جذبات حریت	۸ر
مضامین مہاتما گاندھی جی حصہ اول	۱۰ر
سوراج "	۸ر

احمد آباد کانگریس، مسلم لیگ۔ خلافت کانفرنس۔ اسٹوڈنٹ کانفرنس وغیرہ کے مفصل حالات مرقع اجتماعات احمد آباد میں دیکھئے جسمیں مولانا حسرت موہانی کا مشہور خطبہ صدارت بھی درج ہے ۱۰ر

مشتاق احمد ناظم قومی دار الاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ

جدید تصانیف مولانا ابو الکلام آزاد

مجموعہ مضامین مولانا ابو الکلام آزاد

حصہ دوم اور حصہ سوم ابھی تیار ہوئے ہیں جن حضرات نے حصہ اول دیکھا ہے وہ اندازہ کرسکتے ہیں کہ حصہ دوم اور سوم کیسے ہونگے۔ دونوں حصوں کے مضامین قابل دید ہیں حصہ دوم ۱۲ر حصہ سوم ۱۲ر

بیان مولانا الکلام صاحب آزاد

ہندوستان کا تاریخی بیان جو مولانا نے اپنے مقدمہ میں دیا عمدہ کاغذ پر ۴ر

جہاد اور اسلام

جہاد اور اسلام مسئلہ جہاد۔ قربانی۔ حقیقت اسلام۔ اسوۂ ابراہیمی وغیرہ پر مفصل بحث ۶ر

صدائے حق

الامر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تشریح۔ احکام خداوندی کی تفصیل۔ اعلان حق ۸ر

دعوت حق

تاریخ اسلام سے اعلانِ حق کی مثال۔ دربار مامون رشید کا واقعہ۔ تاریخ عہد عباسیہ کا ایک صفحہ ۶ر

تازہ مضامین ابو الکلام آزاد

حضرت مولانا کے سنہ ۱۹۲۱ء کے تمام مضامین کا مجموعہ ۱۰ر

مضامین ابو الکلام آزاد حصہ اول	۱۰ر	دعوت عمل	۸ر
خطبہ صدارت تقریری جلسہ لاہور	۶ر	ہندوستان پر حملہ	۳ر
خطبہ صدارت تحریری جلسہ لاہور	۶ر	تعلیمی ترک موالات کا مقصد	۱ر
الحریت فی الاسلام	۱۲ر	حزب اللہ	۱۲ر
اتحاد اسلامی مشہور تقریر	۶ر	خطبات سیاسیہ	۸ر

مشتاق احمد ناظم قومی دار الاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ